بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

زیرِ سرپرستی:

عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب قبلہ

سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

جلد نمبر ۳۹ شمارہ ۱۲

دسمبر ۲۰۱۵ء

صفر ۱۴۳۷ھ

مجلس ادارت

مدیرِ اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی

نائب مدیر: محمد طفیل احمد مصباحی

منیجر: محمد محبوب عزیزی

تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی

مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور

اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur. Azamgarh

(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 20 روپے

سالانہ: 200 روپے

چیک اور ڈرافٹ

بنام

مدرسہ اشرفیہ

بنوائیں

کوڈ نمبر ———— 05462

دفتر ماہنامہ اشرفیہ ———— 250149

الجامعۃ الاشرفیہ ———— 250092

دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ

500 روپے

دیگر بیرونی ممالک

20 $ امریکی ڈالر   15 £ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org   E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشـــــــمولات

اداریــــــــہ	امینِ شریعت حضرت مولانا مفتی سبطین رضا رضوی علیہ الرحمۃ	مبارک حسین مصباحی	۳
	------------تدبرات------------		
عصر حاضر	کیا سنیں؟ کیا پڑھیں؟ (آخری قسط)	محمد آصف اقبال	۶
	-------------فقہیات-------------		
آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں.............	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۱۰
	-------------نظر یات-------------		
فکـــــر امروز	مذہبی رواداری اور اسوۂ رسولِ کریم	محمد ضیاء الدین برکاتی	۱۲
	------------اسلامیات------------		
بزمِ خواتین	اسلام میں عورتوں کے حقوق و مسائل	مولانا محمد ابرار مصباحی	۲۰
	------------شخصیات------------		
بزمِ تصوف	قطب الاقطاب سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ	محمد ہاشم قادری مصباحی	۲۶
انـــوارِ حیات	مرشدِ اعظم ہند احسن العلما مارہروی (آخری قسط)	مبارک حسین مصباحی	۲۸
آئینـۂ زندگی	شاہ امین احمد فردوسی (آخری قسط)	مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی	۳۵
	------------بزم دانش------------		
فـکــرونـظــر	مرکز کا اصلی حکمراں کون - بی. جے. پی. یا آر. ایس. ایس؟	محمد عرفان قادری/صابر رضا رہبر مصباحی	۴۲
	------------تحر یکات------------		
جہانِ تبلیغ	سنی دعوتِ اسلامی: ظلمتِ شب میں خورشیدِ جہاں تاب	مولانا محمد فروغ القادری	۴۵
	-------------ادبیات-------------		
نـقــدونـظــر	عرفان حفیظ (مجموعۂ مضامین)	مبصر: مولانا طفیل احمد مصباحی	۴۸
خیابانِ حــرم	منظومات	محمد مشاہد رضوی/مصعب مبارک علمی/فاخر جلال پوری	۵۰
	-------------وفیات-------------		
سفر آخرت	منصورِ ملت علیہ الرحمۃ اسلاف و اکابر کی یادگار تھے	مولانا محمد عبد المبین نعمانی	۵۱
	------------مکتوبات------------		
صدائے بازگشت	آفاق فاخری/ڈاکٹر ظہور احمد دانش		۵۲
	------------سرگرمیاں------------		
خـیـروخـبـر	دامودر پور میں شفیعِ محشر کانفرنس/مدرسہ عزیزیہ اظہار العلوم مینہ نگر کا افتتاحی اجلاس/پیلی بھیت میں آل انڈیا مفتی اعظم ہند کانفرنس/ایکسل کمپیوٹر ٹریننگ سینٹر کا افتتاح/ہردی مظفر پور میں پیغامِ کربلا کانفرنس۔		۵۴

اداریہ

امینِ شریعت حضرت مولانا مفتی سبطین رضا رضوی علیہ الرحمہ

مبارک حسین مصباحی

امینِ شریعت ۲۶؍ محرم الحرام ۱۴۳۷ھ /۹؍ نومبر ۲۰۱۵ء بروز پیر ایک بج کر ۴۵؍ منٹ پر رحلت فرما گئے۔ ’’ہم بھی اللہ ہی کے ہیں اور بے شک ہمیں اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔‘‘

حضرت مفتی سبطین رضا علیہ الرحمہ پرانا شہر محلہ کانکر ٹولہ بریلی شریف میں اپنے دولت کدے پر مقیم تھے، عرصہ دراز سے بیمار چل رہے تھے، ہزار علاج کے بعد بھی صحت یاب نہ ہو سکے، انتقال کی خبر مشہور ہوئی اور تعزیت کے لیے ہزاروں متعلقین ، مریدین اور متوسلین کی آمد و رفت شروع ہوگئی، تاج الشریعہ حضرت علامہ شاہ اختر رضا ازہری دامت برکاتہم العالیہ غیر ملکی دورے پر تھے، اطلاع ملتے ہی آپ چل پڑے اور وقت پر بریلی شریف تشریف لائے، تجہیز و تکفین کے بعد اسلامیہ انٹر کالج کے وسیع میدان میں جنازہ لے جایا گیا، جنازے میں علماے کرام، مشائخ عظام اور عوام اہلِ سنت کا حدِ نظر ہجوم تھا، نمازِ جنازہ بروز منگل ادا کی گئی، امامت کے فرائض حضرت تاج الشریعہ دامت برکاتہم القدسیہ نے انجام دیے۔ ایک اندازے کے مطابق نمازِ جنازہ میں قریب ایک لاکھ کا مجمع تھا، آپ کو بصد حسرت و یاس محلہ کانکر ٹولہ میں حضرت علامہ تحسین رضا قادری علیہ الرحمہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ وصال کے وقت آپ کی عمر عیسوی اعتبار سے ۸۸؍ برس ہوتی ہے اور یہ حسن اتفاق ہی ہے کہ آپ کی پیدائش بھی اوائل نومبر میں ہوئی اور وصال بھی اوائل نومبر میں ہوا۔

امینِ شریعت بلند پایہ عالمِ ربانی، درس نظامی کے استاذِ کامل، مرشدِ طریقت، بلند اخلاق، داعیِ اسلام اور قد آور طبیب و حکیم تھے، طب یونانی میں آپ کی غیر مطبوعہ چند کتابیں بھی ہیں۔ عظیم مرشد گرامی بلند پایہ عالم ربانی اور خانوادۂ رضویہ کے چشم و چراغ ہونے کی وجہ سے جہانِ اہلِ سنت میں مقبول ترین فرد فرید تھے۔

خاندانی احوال: آپ اوائل نومبر ۱۹۲۷ء میں پیدا ہوئے، آپ کی جاے ولادت خانقاہ رضویہ کے عقب میں محلہ سوداگران ہے، یہی آپ کا آبائی مکان تھا، والدین کریمین نے بڑی محبتوں سے آپ کی پرورش فرمائی تھی، آپ کے دادا جان امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کے برادر اصغر شاعرِ اسلام حضرت علامہ حسن رضا بریلوی علیہ الرحمہ تھے۔ آپ کے والدِ گرامی کا اسمِ مبارک حضرت علامہ حسنین رضا بریلوی علیہ الرحمہ ہے۔ خانقاہ رضویہ کے عقبی مکان میں آپ کے دادا جان اقامت پذیر رہے، ان کے بعد آپ کے والدِ گرامی بھی رہتے رہے، مگر پھر ۱۹۴۷ء کے ہنگامی حالات میں آپ کے والدِ گرامی اس مکان کو چھوڑ کر پرانا شہر محلہ کانکر ٹولہ بریلی شریف منتقل ہو گئے۔

اس مکان پر آپ حضرات کی عدم موجودگی میں ایک پنجابی نے قبضہ کر لیا اور وہ جبراً اس میں قریب ۲۰؍ سال تک رہتا رہا۔ بزرگ شخصیت پیر طریقت حضرت مولانا منان رضا قادری دام ظلہ العالی نے کوشش فرمائی، اللہ تعالیٰ نے انھیں کامیابی عطا فرمائی، مکان حاصل کرنے کے بعد آپ نے بعض حصوں کی تعمیر کرائی اور قدیم حصوں کی مرمت کرائی، اب یہ پورا مکان آپ کے قبضے میں ہے ،آپ اپنے اہل و عیال کے ساتھ اس میں مقیم ہیں۔

حضرت علامہ سبطین رضا قادری علیہ الرحمہ کی ہم شیرہ حضرت تاج الشریعہ دامت برکاتہم القدسیہ کی شریکِ حیات ہیں، ماشاء اللہ نظم و نسق اور انتظامی امور میں بڑی دور رس اور سنجیدہ ہیں، حسن اخلاق اور مہمان نوزی میں بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ حضرت تاج الشریعہ دامت برکاتہم القدسیہ مکرر سمدھی ہیں، یعنی ہر ایک کے فرزند ارجمند کو دوسرے کی بیٹی منسوب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دونوں بزرگوں کے درمیان الفت و محبت کے چمن آباد ہیں اور اللہ تعالیٰ انھیں اسی طرح قائم و دائم رکھے۔

خانوادۂ رضویہ اپنے باکمال مشائخ اور نیک سیرت علما کی وجہ سے ملک اور بیرون ملک شہرتوں کے بامِ عروج پر ہے۔ جس طرف نظر کیجیے انھیں کے جلوے اور انھیں کے چرچے نظر آتے ہیں۔ دین وسنیت کے فروغ اور دعوت و تبلیغ کے میدان میں بڑی گراں قدر خدمات ہیں۔ ہر فرد اپنے اندر کچھ نہ کچھ امتیازی خصوصیات رکھتا ہے۔ ''آنکھ جدھر اٹھائیے تیری ہی داستان ہے'' والا معاملہ ہے۔

تعلیم و تربیت: حضرت امینِ شریعت علیہ الرحمہ جب سنِ شعور کو پہنچے تو والدین کریمین نے تسمیہ خوانی کی مجلس سجائی، آپ کے چھوٹے دادا حضرت مولانا محمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ نے باضابطہ بسم اللہ پڑھا کر تعلیم و تربیت کا آغاز فرمایا۔ آپ کے ابتدائی اساتذہ میں والد گرامی علیہ الرحمہ اور آپ کی والدہ ماجدہ ہیں۔ والدین بڑی محبت سے نگہداشت فرماتے، والدِ گرامی کی عدم موجودگی میں ان کا پروردہ خادم نظر رکھتا، حضرت حافظ سید شبیر علی رضوی سے آپ نے قرآن عظیم کی خواندگی مکمل فرمائی۔ ابتدائی اردو، فارسی اور خوش نویسی کی مشق والد ماجد نے فرمائی۔ خطوط نویسی اور کچھ فارسی آپ کے ماموں جان نے پڑھائی۔ حسنِ اتفاق مصنفِ قانونِ شریعت حضرت علامہ قاضی شمس الدین احمد جون پوری علیہ الرحمہ ان دنوں جامعہ رضویہ مرزائی مسجد محلہ گھیر جعفر خان پرانا شہر بریلی میں مدرس تھے۔ حضرت امین شریعت نے ان کی درس گاہ میں داخلہ لیا، ان سے میزان، منشعب وغیرہ کتب پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ شمس العلما ایک باکمال مدرسِ اعلیٰ اور مخلص مربی تھے، ان کے فیض صحبت اور ان کی نگاہِ کیمیا اثر نے آپ کی زندگی میں صالح انقلاب پیدا فرمادیا، اس کے بعد حضرت امینِ شریعت بریلی شریف کی شہرہ آفاق درس گاہ دار العلوم مظہر اسلام مسجد بی بی جی میں داخل ہوئے۔ ان دنوں اس درس گاہ میں علم و فضل کے یگانۂ روزگار اساتذہ تھے۔ دراصل تعلیم کے ساتھ تربیت بڑی اہمیت رکھتی ہے اور یہ وصف متقی اور پرہیزگار اساتذہ کی بارگاہوں میں حاصل ہوتا ہے۔ ہمیں آپ کے عہدِ طالب علمی کی مزید تفصیل تو معلوم نہیں ہوسکی، مگر متبحر اساتذہ اور آپ کی لیاقت وصلاحیت سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ آپ نے بڑی محنت سے پڑھا تھا۔ آپ صرف درسی علوم کے ماہر ہی نہیں تھے، بلکہ تقویٰ اور پرہیزگاری میں بھی انتہائی بلند قامت تھے، ملک کے ہر گوشے سے لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر آپ کی عظمتوں کا دیدار کرتے تھے، اس وصف وکمال میں آپ کے سرپرست اعلیٰ تاجدارِ اہلِ سنت مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ مصطفیٰ رضا بریلوی قدس سرہ کی مکمل دستگیری رہی۔ اب ہم آپ کے اساتذہ کرام کے اسمائے گرامی پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

صدر الشریعہ مولانا شاہ امجد علی اعظمی، محدثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد رضوی، شمس العلما قاضی شمس الدین احمد جون پوری، حضرت علامہ عبد الرؤف بلیاوی، سابق نائب صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور، حضرت مولانا مفتی وقار الدین دار العلوم امجدیہ کراچی، حکیم الاسلام حضرت مولانا حسنین رضا قادری بریلوی، شیخ الادب حضرت مولانا غلام جیلانی اعظمی، حضرت مولانا سید ظہیر الدین زیدی، حضرت مولانا غلام یٰسین رضوی پورنوی، والدہ ماجدہ، حضرت حافظ سید شبیر علی رضوی علیہم الرحمۃ والرضوان۔

ان بلند پایہ اساتذۂ کرام کے علم و تقویٰ میں کس کو شبہہ ہو سکتا ہے؟ ان اساطین علم وفضل کے درس گاہی فیوض وبرکات سے کون انکار کر سکتا ہے؟ حضرت امین شریعت نے انھیں سے مختلف اوقات میں فضل وکمال کا اکتساب کیا۔ محنت و مطالعہ سے اپنی منزل تک پہنچے اور علم و تقویٰ کے درخشاں آفتاب بن کر چمکے۔ اور درس گاہی فیوض وبرکات کے ساتھ رشد وہدایت کے میدان مین بھی گراں قدر خدمات انجام دیں۔

مظہرِ اسلام بریلی شریف سے فراغت کے بعد آپ دو سال تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں بھی عصری علوم سے فیض یاب ہوئے۔

تدریسی خدمات: حضرت امینِ شریعت نے فراغت کے بعد مظہرِ اسلام بریلی شریف سے تدریسی زندگی کا آغاز کیا، اس کے بعد مدرسہ اشاعت الحق ہلدوانی ضلع نینی تال میں اپنے علم وفضل کے گوہر لٹائے، ہلدوانی میں آپ کے قیام کا زمانہ تین برس ہے۔ اس وقت استاذ القرا حضرت مولانا قاری غلام محی الدین اشرفی علیہ الرحمہ بانی ومہتمم کی حیثیت سے وہاں موجود تھے، حضرت امین شریعت نے جامعہ عربیہ ناگ پور میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔ آخر میں آپ چالیس برس سے زیادہ عرصے سے مدرسہ فیض الاسلام کیش کال انجمن اسلامیہ کانکر ضلع بستر میں تھے۔ رائے پور، چھتیس گڑھ میں بھی آپ نے ادارہ قائم کیا۔ اسی طرح درجنوں اداروں کی سرپرستی فرماتے رہے۔ آپ نے رشد وہدایت کے میدان میں بھی عہد ساز کارنامے انجام دیے۔ چھتیس گڑھ کے مختلف علاقوں میں آپ کی خدمات مرجعِ خلائق تھیں۔

بیعت و خلافت: آپ نے نوعمری ہی میں حضرت مفتیِ اعظم قدس سرہ کے دست کرم پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ بعد میں حضرت مفتیِ اعظم نوّر اللہ مرقدہ نے آپ کو خلافت و اجازت اور نقوش و تعویذات لکھنے کی دولت سے بھی سرفراز فرمایا۔ حضرت مفتی اعظم ہند آپ کے

مخلص پیشوا تھے۔ حضرت مفتیِ اعظم ہند کی ذاتِ گرامی ہزاروں خوبیوں کا بحرِ ناپیدا کنار تھی۔ آپ ان خوبیوں سے نہ صرف آشنا تھے، بلکہ ان کے شیدائی تھے، تواضع و انکساری، دنیا سے بے نیازی، ہر دور میں شباب پر رہی۔ بڑے بڑے اساطین علم و فضل آپ کے سامنے زانوئے ادب طے کرنے پر نازاں اور فرحاں نظر آتے تھے۔ ایک عالم آپ کا گرویدہ تھا، عبادت و ریاضت اور معرفت و حقیقت میں بھی بلند پائدان پر فائز تھے۔ آپ نے حضرت مفتیِ اعظم کے کمالات و کرامات سے بھی بھرپور استفادہ کیا۔

حضرت امین شریعت نے اپنے والدِ گرامی حضرت علامہ حسنین رضا قادری بریلوی سے بھی اجازت و خلافت پائی۔

عقد مسنون: تاج دارِ اہلِ سنت حضرت مفتیِ اعظم آپ سے بے پناہ محبت فرماتے تھے، انھیں کے انتخاب سے حضرت مفتی عبدالرشید فتح پوری علیہ الرحمہ کی صاحب زادی سے آپ کا عقد مسنون ۷/ مارچ ۱۹۵۷ء میں ہوا۔ یہ رشتہ ہر حیثیت سے کامیاب رہا، الفت و محبت کے ساتھ آپ کی خاندانی زندگی گزری، آپ کے سات بچے پیدا ہوئے، دو فرزندوں کا وصال پر ملال ہوگیا، دو لڑکے اور تین لڑکیاں بقیدِ حیات ہیں۔ دونوں فرزند علمِ دین سے آراستہ ہیں، نیک سیرت اور بلند اخلاق ہیں، بڑے فرزند ارجمند کا نام حضرت مولانا جنید رضا عرف سلمان رضوی ہے اور دوسرے صاحب زادے کا اسمِ گرامی حضرت مولانا عبید رضا عرف نعمان رضوی ہے۔ حضرت کی آرزو تھی کہ اپنے چھوٹے فرزند کو جامعہ اشرفیہ مبارک پور حصولِ تعلیم کے لیے بھیجیں مگر افسوس کسی وجہ سے ان کی یہ تمنا پوری نہ ہوسکی۔ جہاں تک ہمیں یاد آتا ہے ایک بار حضرت امینِ شریعت جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے تھے، شارحِ بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی قیام گاہ میں آرام فرمایا تھا، اسی مقام پر ہمیں ان سے شرف نیاز حاصل کرنے کا موقع ملا تھا، ماشاءاللہ زیارت کرکے دل و دماغ باغ باغ ہوگیا تھا۔ اس دوران بھی صاحب زادے کی تعلیم کے حوالے سے گفتگو ہوتی تھی۔

ان چند سطروں کے بعد ایک بار پھر ہم حضرت امین شریعت علیہ الرحمہ کی رحلت پر اظہارِ غم کرتے ہیں، ان کا وصال پر ملال ایک خاندان کا نہیں بلکہ جماعت اہلِ سنت کا خسارہ ہے، اللہ تعالیٰ غیب سے ان کا بدل عطا فرمائے۔ مولا تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ حضرت امینِ شریعت علیہ الرحمہ کو جنت الفردوس میں بلند ترین مقام عطا فرمائے، ان کی اولاد، احفاد، خانوادۂ رضویہ اور جماعت اہلِ سنت کو صبر و شکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(ص:۴۰ کا بقیہ)... جناب حضور نے ارشادِ رسالت ﷺ الدنیامزرعة الآخرة (دنیا آخرت کی کھیتی ہے) کے مطابق دارفانی میں بقا کی کھیتی بو کر محبوب حقیقی سے لو لگایا؛ اور شاد کام ہوکر مسکراتے ہوئے جامِ وصال نوش فرمایا۔ جس کے صدمہ کی تاب نہ لاکر "تحفۂ حنفیہ" نڈھال، "مدرسۂ حنفیہ" جاں بلب، بہار میں "مصلحین ندوہ" کی تحریک تن بے جان، اور ہزاروں، لاکھوں مسلمان رہنمائی و تربیّت سے محروم ہوگئے۔ ابھی اس حادثہ کو پانچ سال بھی نہیں ہوپائے تھے کہ ۱۳۲۶ھ کو آپ کی تحریک اور مشن کے دست و پا حضرت مولانا قاضی عبدالوحید نے بھی داعیِ اجل کو لبّیک کہا، جس کی وجہ سے کچھ ہی دنوں میں "تحفۂ حنفیہ" بند، "مدرسہ ابر کرم" ویران اور بہار میں "مصلحینِ ندوہ" کی تحریک ماند پڑگئی، اس طرح جناب حضور کی یہ پیشین گوئی سچ ہوکر رہ گئی کہ:

ہم جانتے ہیں کہ اس ندوہ میں ایک ایسی قوت موئثرہ ہے اور ہوگی کہ لوگوں کو گمراہ اور لامذہب کرچھوڑے گی........ لوگ دین بیچ کر دنیا کی ترقیوں پر مرمٹیں گے۔

جناب حضور نے اس کشف کے باوجود انجمنِ "ندوہ" کی مخالفت اور اس کی اصلاح کے لیے جدوجہد میں اپنی طرف سے کوئی کمی اس لیے نہیں ہونے دی کہ انجام وہدایت خدائی کام ہیں۔ بندہ سعی و تبلیغ پر مامور ہے اور اسے، اسی کی جزا یا سزا ملنی ہے۔ قرآن کریم نے حضور اکرم ﷺ سے لاتهدی من احببت ولكن الله يهدی من يشاء(۱) سواء عليهم انذرتهم ام لم تنذرهم لا يؤمنون(۲) کہنے کے باوجود يا ايها الرسول بلّغ ما انزل اليك(۳) ارشاد فرمایا۔ پھر کسی تحریک کے موافق یا مخالف افراد کی زیادتی یا کمی سے اس کے حق و ناحق ہونے کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ کتنے ہی انبیاے کرام کی عمر بھر کی تبلیغ کے نتیجہ میں ہزاروں میں سے چند افراد ہی ایمان لائے۔ آج بھی دنیا میں مسلمانوں کی بہ نسبت غیر مسلمین بلکہ صرف عیسائیوں کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ حدیث پاک تفترق امّتی علیٰ ثلٰثة وسبعين ملّة كلهم فی النار الا ملّة واحدة میں بھی اسی کی طرف واضح اشارہ ہے کہ قرب قیامت میں میری امت کا ایک فرد حق پر ہوگا تو اس کے بالمقابل بہتّر افراد ناحق پر ہوں گے۔ ☆☆☆☆☆

(۱)- سورہ قصص، آیت ۵۶

(۲)- سورۃ البقرۃ، آیت: ۶

(۳)- سورۃ المائدۃ، آیت: ۶۷

عصر حاضر

آخری قسط

کیا سنیں؟ کیا پڑھیں؟

محمد آصف اقبال

اہل باطل جب خود نفع سے بے بہرہ ہیں تو ان کی بات سن کر دوسروں کو کیا فائدہ حاصل ہوسکتاہے ،ذرا اس قول پر نظر ڈال لیجیے ، حضرت سفیان بن سعید ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: جس نے کسی بد مذہب سے کچھ سنا اللہ تعالی اُس کو اِس میں نفع عطا نہیں فرمائے گا اور جس نے بدمذہب سے ہاتھ ملایا اُس نے اسلام کو کَڑی کَڑی کرکے تور دیا-

ایک اور موقع پر آپ ہی سے کسی شخص نے عرض کی: حضور! میرے دروازے کے سامنے مسجد ہے جس کا امام بدمذہب ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا۔ اس نے کہا: کبھی رات میں بارش بھی ہوتی ہے اور میں بوڑھا آدمی ہوں؟ ارشاد فرمایا: تب بھی اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا۔ (حلیۃ الاولیاء، ج۷، ص ۳۰)

اور حضرت ابوداؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت زائدہ بن قدامہ ثقفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کسی منکر تقدیر اور بدمذہب سے حدیث بیان نہیں کرتے تھے۔ (مستخریج ابی عوانہ، ج ۵، ص ۵۶)

یہ بزرگان دین بدمذہبوں کی صحبت اور ان سے میل جول کو اس قدر ناپسند کیوں فرماتے تھے؟ وجہ صاف ظاہر ہے کہ وہ قرآن و سنت کی تعلیمات پر عمل پیرا تھے اور انہیں اپنا دین وایمان ہر شے سے بڑھ کر عزیز تھا لہٰذا ہر وہ شے جو دین وایمان کے لیے خطرہ ہو وہ اُس سے بیزاری کا اظہار فرماتے تھے اور نہ صرف خود بلکہ اپنے متعلقین کو بھی ایسے معاملات سے دوری کا حکم دیتے تھے اور یہی سنت کی پیروی ہے کیوں کہ ہادی دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوٹوک فرمادیا: بدمذہبوں کو خود سے اور خود کو ان سے دور رکھو۔ (صحیح مسلم، مقدمہ، ص ۱۶)

یہ تھی ہمارے اسلاف کی تعلیمات بدمذہبوں کی صحبت کے متعلق اور اب یہ پڑھیے کہ دین اسلام کی قدآور شخصیات ایسوں کی بات سننے کے حوالے سے کیا رائے رکھتی ہیں؟ وہ ان کی باطل باتیں سننا تو کجا اُن کی زبان سے قرآن وحدیث سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے (جیساکہ فتاوی رضویہ شریف کے حوالے سے بھی گزرا)، یاد رہے کہ بدمذہبی والی بات زبان سے سنی جائے یا کتاب سے پڑھی جائے دونوں کا ایک ہی حکم ہے جیساکہ معروف ہے: القلم احد اللسانین۔

اگر کوئی بدمذہب اپنی بات سنانے پر تل جاتا تو سلف صالحین کا رد عمل کیا ہوتا؟ ملاحظہ کیجے ، حضرت معمر کا بیان ہے کہ امام ابن طاوس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف فرما تھے کہ اتنے میں ایک بدمذہب (معتزلی) آیا اور اُس نے بات کرنا شروع کردی، حضرت نے اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیں اور اپنے بیٹے سے بھی فرمایا: بیٹا! اپنی انگلیاں کانوں میں کس کر ڈال لو اور اس کی ذرا سی بھی بات مت سننا کیوں کہ دل بہت کمزور ہے۔

(اعتقاد اھل السنة اللالکائی، ج ۱، ص ۱۳۵)

واقعی دل کمزور ہوتے ہیں اور اگر دل میں کوئی شبہ داخل ہوجائے تو وہ اِسے مزید کمزور کردیتا ہے، کسی بزرگ سے عرض کی گئی: آپ بدمذہبوں کی بات کیوں نہیں سنتے؟ ارشاد فرمایا: دل شبہات کی وجہ سے کمزور ہوجاتے ہیں اور میں نہیں جانتا کہ بدمذہب کوئی بات کہے تو وہ میرے دل میں اتر جائے اور پھر نہ نکلے۔"

امام ابن طاوس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُس بدمذہب کے بات کرنے پر جو انداز اپنایا اس میں ہماری رہنمائی کے ساتھ ساتھ اولاد کی تربیت کا یہ پہلو بھی موجود ہے کہ اولاد کی تربیت نہ صرف اخلاقیات کے اعتبار سے ضروری ہے بلکہ اعتقادات (عقیدے کی حفاظت) کے لحاظ سے کئی گنا زیادہ اہم ہے، اسی لیے حضرت ابن طاوس نے اپنے صاحبزادے کو بھی بدمذہب کی بات سننے سے روک دیا۔ کیا آج ہم اپنی اولاد کے ایمان و عقیدے کے حوالے سے فکر مند ہیں، کیا ہم نوٹ کرتے ہیں کہ ہماری اولاد کہاں سے کیا سن اور کیا پڑھ رہی ہے؟ کیا کبھی اپنے بچوں کے موبائل، ٹیبلٹ اور لیپ ٹاپ چیک کیے کہ اُن کی ہارڈ ڈسک میں کون سے مقررین کی تقریریں اور پی ڈی ایف وغیرہ کی شکل میں کن مصنفین کی کتب ہیں یا کس قسم کے ویڈیو کلپس واہیجز ہیں؟ فوراسے پیش تریہ "جامع تلاشی" لیجیے، خدانخواستہ کہیں بدمذہبی کے طوطے ان کچی فصلوں کو برباد نہ کر ڈالیں اور کہیں ان کی "سادہ تختیوں" پر ایمان و معرفت کی تحریریں جگمگانے کے بجائے ایمان سوز اور معرفت دشمن نظریات درج نہ ہوجائیں۔ مگر اس کے لیے پہلے خود والدین کو تربیت کی سخت حاجت ہے، اس کے لیے مستند و قابل اعتماد علمائے اہل سنت کی تحریر و تقریر اور درس قرآن وحدیث سے استفادہ کیجے

نیز کسی جامع شرائط شیخ طریقت سے نہ صرف خود بلکہ اپنے اہل وعیال کو بھی بیعت کروائیے تاکہ قرآن وسنت کے مطابق عقائدواعمال اوراخلاق و احوال کی درست تربیت ہوسکے اور جب ایسا کرلیں گے تو پھر اپنے اور اپنے اہل وعیال کے ایمان کی بدمذہبوں سے حفاظت آسان ہوجائے گی۔یادرکھئے یہ ہماری شرعی ذمہ داری ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَ اَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّ قُوْدُھَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَۃُ. (پ۲۸،التحریم:٦)

اے ایمان والو اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کواس آگ سے بچاؤ جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ (ترجمہ از کنزالایمان)

بدمذہب سے کچھ سننا انتہائی ہلاکت خیزی کا سبب ہے اور کیوں نہ ہو کہ کسی دشمن دین کی بات پر دھیان دینا ایک طرح سے دین سے بغاوت ہے اور جو کسی بغاوت کا مرتکب ہوتا ہے اُس سے امان اٹھالی جاتی ہے ،حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:جس نے کسی بدمذہب کی بات توجہ کے ساتھ سُنی وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی امان سے نکل گیا۔

(حلیة الاولیاء،ج۷،ص۲۸)

آپ سے یہ قول اس طرح بھی ہے:جس نے کسی بدمذہب کی بات توجہ سے سنی اور اسے اس کا بدمذہب ہونا معلوم تھا وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ سے نکال کر نفس کے سپرد کردیا گیا۔(حلیة الاولیاء،ج۷،ص۳٦)

حضرت محمد بن نضر حارثی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس سے ملتی جلتی بات ارشاد فرمائی ہے:جس نے کسی بدمذہب کی طرف اپنے کان لگائے اور وہ جانتا بھی ہو کہ یہ بدمذہب ہے تو اس سے عصمت وحفاظت ختم کردی جائے گی اور اُسے اُس کے نفس کے حوالے کردیا جائے گا۔

(المجالسة وجواھر العلم،ج۲،ص۲۰۹)

پھر یہ کہ اہل باطل جب خود نفع سے بے بہرہ ہیں تو ان کی بات سن کر دوسروں کو کیا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے ،ذرا اس قول پر نظر ڈال لیجیے ، حضرت سفیان بن سعید ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:جس نے کسی بدمذہب سے کچھ سنا اللہ تعالیٰ اُس کو اِس میں نفع عطا نہیں فرمائے گا اور جس نے بدمذہب سے ہاتھ ملایا اُس نے اسلام کو کڑی کڑی کرکے توڑ دیا۔

(تلبیس ابلیس،ص١٤)

یہاں دو اقوال مزید پڑھیے کہ اہل حق باطل سننے سے کس قدر بچتے تھے ،کسی بدمذہب نے حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا:مجھے آپ سے صرف ایک بات پوچھنی ہے۔تو آپ نے اُس سے یہ کہتے ہوئے منہ پھیر لیا کہ ”نہیں،آدھی بھی نہیں۔“اور انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے دوبارہ یہ بات کہی۔(اعتقاد اہل السنة اللالکائی،ج۱، ص۱۴۳)

اور منقول ہے کہ امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اگر کسی بدمذہب کے کلام سے ایک کلمہ سنتے تو اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے۔پھر فرماتے:”میرے لیے اِس سے بات کرنا حلال نہیں ہے۔“حتیٰ کہ وہ آپ کی مجلس سے اٹھ جاتا۔(الابانة الکبری لابن بطة،ج۲،ص٤٧٣)

اب ہم چند واقعات تحریر کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ بدمذہبی اور بے ادبی پر مشتمل کتب پڑھنا اور اپنے پاس رکھنا کس قدر محرومی وحرماں نصیبی لاتا ہے اور ایسی کتب نورایمان ونور معرفت کو کس طرح مدھم کردیتی ہیں بلکہ بسا اوقات اس کو بجھا بھی دیتی ہیں۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اپنی کتاب ”روح القدس فی مناصحة النفس“ میں حضرت ابوعبداللہ بن زین یابری کے حالات میں لکھتے ہیں:آپ کا شمار اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔آپ ایک رات حجۃ الاسلام امام غزالی کے رد میں لکھی ہوئی ایک کتاب پڑھ رہے تھے کہ بینائی چلی گئی اور نظر آنا بند ہوگیا۔آپ اسی وقت بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوگئے اور گریہ وزاری کرنے لگے اور قسم کھائی کہ میں آئندہ کبھی یہ کتاب نہیں پڑھوں گا اور اسے خود سے دور رکھوں گا۔چنانچہ اُسی وقت بینائی واپس لوٹ آئی۔عارف باللہ علامہ عبدالغنی بن اسماعیل نابلسی یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:یہ حضور حجۃ الاسلام امام غزالی کی کرامت ہے جو بعد انتقال حضرت ابوعبداللہ بن زین کے ذریعے ظاہر ہوئی (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)۔(کشف النور عن اصحاب القبور مع الحدیقة الندیہ، ۸/۲)

فقیہ العصر مفتی محمد امین صاحب متعنااللہ بطول حیاتہ اپنی کتاب البرھان میں ”اظہار تشکر“ کے عنوان کے تحت یہ واقعہ نقل فرماتے ہیں:مفتی محترم سید ڈاکٹر ابراہیم حسن نے جو کہ نہایت ہی سچے پکے مومن تھے بیان فرمایا کہ کسی نے براہِ تعصب علامہ یوسف نبہانی رحمہ اللہ کے خلاف ایک رسالہ لکھ دیا اور وہ رسالہ مصنف نے ایک مدنی بزرگ جو کہ اکثر طور پر سید دوعالم،شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوتے رہتے تھے ان کو دیا اُس مدنی بزرگ کا بیان ہے کہ وہ رسالہ میں نے گھر میں رکھ دیا تو زیارت والا انعام رک گیا یعنی کافی عرصہ زیارتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم رہا جس کی وجہ سے میں بہت غمگین ہوا اور پھر عرصہ کے بعد جب میں ایک دن زیارتِ سیدالانام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نوازا گیا اور میں نے اس عرصہ تک زیارت سے محرومی کے متعلق عرض کیا تو سید دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

کیف ترانی عندك هذاالكتاب الذی یطعن فیه صاحبه علی حبیبنا النبهانی.

یعنی تو میرا دیدار کیسے حاصل کرسکتا ہے حالانکہ تیرے گھر میں وہ کتاب ہے جس میں مصنف نے ہمارے محبوب ہمارے پیارے **نبہانی**

پر نکتہ چینی کی ہے۔ میں بیدار ہوا تو میں نے اس کتاب کو آگ لگا کر جلا دیا اور اس جلانے کے بعد پھر مجھے زیارت والا انعام شروع ہو گیا۔

(جامع کرامات اولیا، ج ۱، ص ۷)

اس سے ملتا جلتا ایک واقعہ ہمارے ایک بزرگ جناب فخرالدین صاحب سلمہ (جن کو حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے شرف نیاز حاصل ہے، آج کل علیل ہیں، رب کریم انہیں شفائے کاملہ عطا فرمائے۔ امین) نے آج سے تقریباً اٹھارہ سال قبل راقم کو سنایا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے شہر نواب شاہ (سندھ) کی جامع مسجد (نزد سول ہسپتال) اوقاف کی زیر نگرانی ہے، مسجد کے احاطہ میں مدفون اس کے ایک سابق خطیب و امام حضرت مفتی ہاشم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو روزانہ رات کو خواب میں حضور خاتم الانبیا والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف ملتا تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ مسجد چونکہ اوقاف کی نگرانی میں تھی لہٰذا ایک بار وہاں بدمذہبوں نے کوئی اجتماع کیا جہاں خطاب کے لیے کوئی مقرر مدعو تھا۔ حضرت امام صاحب نے خادم سے فرمایا: اجتماع کی رات مسجد کی چھت پر کرسی ڈال دینا، میں بھی تو سنوں یہ کیا کہتے ہیں؟ پس حضرت نے اُس بدمذہب کی تقریر سن لی مگر اُس وقت سے مسلسل چار راتیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے محروم رہے، پانچویں روز جب زیارت سے مشرف ہوئے تو بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یا رسول اللہ! چار راتیں کرم نہیں فرمایا؟ تو ارشاد فرمایا: ”تم ہمارے دشمنوں کی تقریریں سنو اور ہم تمہیں اپنی زیارت کراتے رہیں، یہ کیوں کر ممکن ہے۔“ پھر انہوں نے سچی توبہ کی تو زیارت والی نعمت پھر سے بحال ہو گئی۔

اب یہ بھی سن لیجیے کہ بدمذہبوں کی تقریریں سننے اور ایسوں کی تحریریں پڑھنے کے متعلق برصغیر سے تعلق رکھنے والے دورِ آخیر کے اکابر مفتیانِ اسلام و مشائخ عظام کی کیا رائے ہے؟

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اگر کوئی معاذ اللہ بدمذہب ہے تو وہ نائب شیطان ہے اس کی بات سننی سخت حرام ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج ۲۳، ص ۳۷۸)

ایک اور مقام پر فرمایا: نہ وہ کتابیں کہ بے دینوں یا بدمذہبوں نے لکھیں کہ ایسی کتابیں پڑھنا پڑھانا حرام ہے۔

(فتاوی رضویہ، ج ۲۳، ص ۶۹۳ ملتقطا)

بدمذہب تو اپنی جگہ رہے اگر کوئی سنی صحیح العقیدہ مگر جاہل وعظ کہتا تو امام اہل سنت اُس کی بات سننے سے بھی سختی کے ساتھ منع کرتے، چنانچہ فرماتے ہیں: جاہل خود بیان کرنے بیٹھے تو اُسے وعظ کہنا حرام ہے اور اُس کا وعظ سننا حرام ہے اور مسلمانوں کو حق ہے بلکہ مسلمانوں پر حق ہے کہ اُسے منبر سے اُتار دیں کہ اِس میں نہی منکر ہے اور نہی منکر واجب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی رضویہ ج ۲۳ ص ۴۰۹)

فتاوی رضویہ، ج ۲۹، ص ۷۰ پر واعظ میں چار باتوں کا ہونا شرط قرار دیا: (۱) مسلمان ہونا (۲) سنی ہونا (۳) عالم ہونا اور (۴) فاسق نہ ہونا۔ دوسری شرط کو یوں بیان فرمایا: دوسری شرط سنی ہونا غیر سنی کو واعظ بنانا حرام ہے اگرچہ بالفرض وہ بات ٹھیک ہی کہے۔ حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ھدم الاسلام جس نے کسی بدمذہب کی توقیر کی اس نے دین اسلام کے ڈھانے پر مدد دی۔ (کنز العمال، ج ۱، ص ۲۱۹)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بدمذہبیت پر مشتمل بعض کتب کے متعلق فرماتے ہیں: ان کتابوں میں کلمات کفریہ ہیں، بغیر ضرورتِ دینیہ ان کتابوں کا دیکھنا جائز نہیں، جو (عالم) انکار (تردید) کرنا چاہتا ہے یا مسلمانوں کو ان کی خباثتوں سے آگاہ کرنا چاہتا ہے اُسے جائز ہے ورنہ ویسے ان کا پڑھنا پڑھانا حرام ہے۔ (فتاوی امجدیہ، ج ۴، ص ۹۹)

بدمذہبی کی اشاعت کے لیے کوشاں ایک جماعت کی کتابیں پڑھنے کے متعلق مفتی اعظم ہند محمد مصطفی رضا خان نوری رحمۃ اللہ علیہ کا تصدیق شدہ ایک فتویٰ ملاحظہ فرمائیے: ان کے لٹریچر و کتاب پڑھنے کا وہی حکم ہے جو ان کی تقریر سننے اور ان کے پاس بیٹھنے کا ہے (اور وہ یہ ہے کہ ان سے دور و نفور رہنا بہ حکم قرآن و حدیث فرض ہے) مسجدوں میں ان کے لٹریچروں، ان کی کتابوں کا سنانا اور سخت منع ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتنہ سے بچائے، ان کا ایمان سلامت رکھے آمین ثم آمین۔

واللہ تعالیٰ اعلم. (فتاوی مفتی اعظم، ج ۵، ص ۳۶۳)

مفتی اعظم پاکستان مفتی وقار الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: انسانی قلب کا حال حدیث میں کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

”مثل القلب مثل الریشۃ تقلبھا الریاح بفلاۃ.

(مقدمہ سنن ابن ماجہ)

یعنی انسانی دل کی مثال اُس ”پَر“ کی طرح ہے جو کسی میدان میں پڑا ہو اور ہوائیں اُس کو اڑا کر الٹ پلٹ کرتی رہیں۔“ اِسی لیے کسی کتاب کو پڑھنے سے پہلے یا کسی وعظ و تقریر سننے سے پہلے یہ اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ کتاب کے مصنف یا مقرر کے نظریات و اعتقادات کیسے ہیں؟ کچھ آگے جا کر فرماتے ہیں: مقصد یہ ہوا جس کے عقیدے میں خرابی ہے اس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا، ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی ایسی بات وعظ و تقریر کرتے ہوئے یا کوئی کتاب لکھتے ہوئے اپنی طرف سے اس میں شامل کر دے جو غلط ہو اور سننے والے کے دل میں بیٹھ جائے۔ جس سے اُس کا ایمان ختم

ہوجائے۔ چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں: آج کل کے عوام جو عربی زبان سے بھی ناواقف اور صحیح مذہبی معلومات سے بھی کماحقہ آگاہ نہیں ہیں، ان کو کتابیں لکھ کر اور لچھے دار تقریریں سنا کر، جن میں اپنے اعتقادات کو ایسی خوب صورتی کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے جن کو عوام بے سمجھے قبول کرلیتے ہیں اور گمراہ ہوجاتے ہیں۔ آج کل جتنے فرقے اہل سنت کے خلاف اپنے مذہب واعتقادات کو پھیلا رہے ہیں ان س کا طریقہ کار یہی ہے۔(وقار الفتاوی، ج۱، ص ۳۲۰)

فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ”فتاوی فیض الرسول“ میں بدمذہبی کا پرچار کرنے والے دو مصنفین کی کتب کے بارے میں درج ہے: مسلمانوں کو سخت ہدایت کی جاتی ہے کہ اگر وہ اپنے دین وایمان کا بھلا چاہیں تو شمع نیازی مرتد اور راشد الخیری گمراہ کی کتابیں ہرگز ہرگز نہ پڑھیں ورنہ شیطان مردود ان کے ایمان اور عقیدہ کو برباد کرکے جہنم میں دھکیل دے گا۔ والعیاذ باللہ رب العالمین.

(فتاوی فیض الرسول، ج۱، ص ۸۰)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: کوئی شخص اپنے ایمان پر اعتماد نہ کرے، ہر کتاب نہ پڑھے، ہر ایک کا وعظ نہ سنے، جب حضرت عمر جیسے صحابی کو توریت جیسی کتاب پڑھنے سے روک دیا گیا تو ہم کس شمار میں ہیں۔ ایمان کی دولت چوراہے میں نہ رکھو، ورنہ چوری ہوجائے گی۔ (مراۃ المناجیح، ج۱، ص ۱۸۴)

ایک مقام پر بدمذہب قدریوں کے ساتھ نشست وبرخاست اور کلام کی ممانعت کے بارے میں وارد ایک حدیث شریف کے تحت فرمایا: اس سے پتہ لگا کہ بے دینوں کے جلسوں میں جانا، ان کی کتب کا مطالعہ کرنا، انہیں دعوتیں کھلانا سب ناجائز ہیں۔

(مراۃ المناجیح، ج۱، ص ۱۱۱)

شیخ الحدیث علامہ عبد المصطفی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

مذہب اہل سنت وجماعت پر قائم رہیں جو سلف صالحین اور گزشتہ علمائے حرمین شریفین کا مذہب ہے۔ سنیوں کے جتنے مخالف مذاہب ہیں، ان سب سے جدا رہیں اور سب کو اپنا دینی دشمن اور مخالف جانیں۔ نہ ان کی باتوں کو سنیں نہ ان کی صحبت میں بیٹھیں۔ ان کی تقریروں اور تحریروں کو نہ سنیں نہ پڑھیں کیوں کہ شیطان کو (معاذ اللہ) دل میں وسوسہ ڈالتے دیر نہیں لگتی۔ آدمی کو جہاں مال یا آبرو کے برباد ہونے کا اندیشہ ہو وہاں ہرگز کوئی عقل مند نہیں جاسکتا اور دین وایمان تو مسلمان کی سب سے زیادہ عزیز چیز ہے۔ لہٰذا اس کی محافظت میں حد سے زیادہ جدوجہد اور کوشش فرض ہے۔ مال اور دنیا کی عزت اور دنیا کی زندگی تو فقط دنیا ہی تک محدود ہیں اور دین وایمان سے تو آخرت اور ہمیشگی کے گھر میں کام پڑنے والا ہے اس لیے جان ومال اور دنیاوی عزت سے بڑھ کر دین وایمان کی حفاظت کا سامان کرنا بے حد ضروری ہے۔(جہنم کے خطرات، ص۱۹۱)

امیر اہلسنت حضرت مولانا محمد الیاس عطار قادری زید مجدہ الکریم تحریر فرماتے: یاد رکھیے! اسلامی نظریات اور شرعی احکامات سے ٹکرانے والی تقریریات سننا اور تحریرات پڑھنا حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے۔ ایک غیر شرعی کتاب کے متعلق جب میرے آقا اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت، مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کی خدمت میں استفتا پیش ہوا تو جواباً فرمایا: وہ کتاب مذہب اہلسنت کے خلاف ہے بلکہ اس میں خود اسلام کی بھی مخالفت ہے! اس کا دیکھنا، پڑھنا سُننا حرام ہے۔ ہاں جو عالم اس کا مطالعہ کرے اس کی تردید کے لیے یا اس میں جو کفر بیان ہوا اس کے انکشاف کے لیے تو اس کے لیے پڑھنا دیکھنا حرام نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی رضویہ ج۱۴ ص ۳۵۸)

ہر اسلامی بھائی کو چاہیے کہ وہ اچھی صحبت اختیار کرے، صرف اور صرف علمائے اہل سنت کے مضامین اور انہیں کی کتابوں کا مطالعہ کرے۔(کفریہ کلمات کے بارے میں سوال جواب، ص۵۰۱)

محترم قارئین! ہم نے اس مضمون میں بدمذہبوں سے میل جول اُن کی صحبت، اُن سے بات چیت، ممانعت پر قرآن کریم، احادیث طیبہ، اسلاف کرام کے آثار واحوال مستند واقعات اور فقہا ومشائخ کے فتاوی واقوال پیش کردیے تاکہ ہمارے سنی بھائیوں کو معلوم ہوجائے کہ **وہ کیا سنیں؟ کیا پڑھیں؟** اور کیا نہ پڑھیں اور کیا نہ سنیں؟ اس طرح وہ اہل باطل کے دام فریب میں نہ آئیں اور اپنا اور اپنے اہل وعیال اور دوست احباب کا ایمان بچائیں بالخصوص وہ اہل سنت جو انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا سے جڑے ہوئے ہیں ان سب پر لازم ہے کہ کسی بھی بدمذہب کی تقریر کا کلپ ہو یا تحریری امیج اُسے پڑھیں نہ ہی شیئر کریں بلکہ ایسی چیزوں کو بلاک (Block) کرنے کی سعی مشکور کریں کیوں کہ اس عمل میں اچھی نیت اور جائز طریقہ ہونے پر ثواب کی امید ہے۔ اپنے مضمون کا اختتام علامہ عبد المصطفی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس نصیحت پر کرتا ہوں: ”ہم اپنے سنی حنفی بھائیوں کو یہی مخلصانہ مشورہ بلکہ حکم دیتے ہیں کہ ان گمراہوں کی تقریروں، تحریروں اور صحبتوں سے بالکل قطعی طور پر پرہیز کریں کیوں کہ گمراہی کے جراثیم بہت جلد اثر کرجاتے ہیں اور ہدایت کا نور بڑی مشکل اور بے حد جدوجہد کے بعد ملتا ہے۔ خداوند کریم ہمارے برادران اہل سنت کے ایمان وعقائد کی حفاظت فرمائے اور تمام گمراہوں، بدمذہبوں اور بے دینوں کے شر سے بچائے رکھے۔(آمین)۔ (کراماتِ صحابہ، ۷۱)****

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

دو سال پہلے بکری کا بچہ ملا، اب ہم کیا کریں؟

زید کے پاس ایک کھویا ہوا بکری کا بچہ ملا ہے، دو سال ہو گیا ہے، پتہ نہیں چل رہا ہے کہ یہ بچہ کس کا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید اس بچہ کو کیا کرے؟ حکمِ شرع سے آگاہ فرمائیں اور عند اللہ ثواب پائیں۔

الجواب

سائل نے زبانی بتایا کہ یہ بچہ رات میں کوئی ۱۲/ بجے کے قریب آیا اور میں نے صبح سے ہی اس کے بارے میں لوگوں سے پوچھتا اور مختلف جگہوں پر اعلان کرانا شروع کر دیا، مہینوں تک جمعہ کے مجمع میں بھی اعلان ہوا، اب بھی لوگوں سے کہتا رہتا ہوں، مگر اس کا مالک اب تک نہیں آیا، وہ باہر ہی بندھا رہتا ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ سائل کسی محتاج مسلمان یا طالبِ علم کو مالک کی طرف سے صدقہ کر دے اور یہ نیت رکھے کہ اگر مالک کبھی آئے گا تو اس کا دام اس کی طلب پر ادا کر دے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دیوبندی مدرسہ میں حصول تعلیم کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین و علماے شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید حافظ ہے اور مسجد کا امام بھی اور وہ اپنے ۹/ سالہ عمر کے لڑکے کو دیوبندی مدرسہ میں تعلیم دے رہا ہے اور باقر ایک عالم ہے اس نے اس امام پر فتویٰ لگایا ہے کہ امام دیوبندی ہو گیا، اس کے پیچھے ہماری نماز نہیں ہوگی تو آیا کیا امام دیوبندی ہو گئے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح ہے یا نہیں امام صاحب نے گاؤں والوں سے یہ کہا ہے کہ میں اس مدرسے سے اپنے بچے کو نکال لوں گا۔

صورتِ مسئولہ میں شریعت کا کیا حکم ہے، قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

الجواب

زید سخت ناعاقبت اندیش، اپنے بچے کا بدخواہ اور اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان ہے، حدیثِ پاک میں بد مذہبوں سے بچنے اور دور رہنے کا حکم مطلقاً دیا گیا ہے۔

ایاک و ایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم رواہ مسلم. فی مقدمۃ صحیحۃ

اور یہ حکم نو عمر بچوں کے لیے بدرجۂ اولیٰ ہے، اس لیے زید فوراً اپنے بچے کو دیوبندی مدرسہ سے نکال لے اور دیوبندیوں کی صحبتِ بد سے اسے بچائے۔ ارشادِ باری ہے: قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا.

اگر علاقے کے بعض علما کچھ اسباب کی بنا پر زید کو دیوبندی یا وہابی قرار دیتے ہیں تو اس کی تحقیق کر لی جائے، منسلک فتویٰ "دیوبندی مذہب کے عقائد و احکام" گاؤں اور علاقے کے علما اور عوام کے سامنے پڑھا جائے زید بھی اسے پڑھے اور سنے، اگر پڑھ کر، سن کر اس کو حق مانے اور اس کے حق ہونے پر دستخط کر دے تو سنی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

خودکشی کرنے اور عید کے دن عورتوں کی نماز کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل میں کہ:

(۱) خودکشی کرنے والوں کی مغفرت ہوتی ہے یا نہیں؟

(۲) عید کے دن عورتوں پر نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) خودکشی کرنے والے کی بھی مغفرت و بخشش ہوگی مگر بہت زمانے تک سخت سے سخت عذاب میں مبتلا رہے گا، پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا اسے معاف فرما دے گا۔ خودکشی کرنا گناہِ کبیرہ ہے اور اہلِ سنت کا اجماع ہے کہ گناہِ کبیرہ کے ارتکاب سے مسلمان اسلام سے خارج نہیں ہوتا، مسلمان ہی رہتا ہے، ہاں کامل مسلمان نہیں رہتا، گناہ گار مسلمان رہتا ہے، اس لیے لمبے عذاب کے بعد اس کی بھی مغفرت ہو جائے گی، یا خدا کی رحمت پہلے ہی دامنِ عفو میں جگہ دے دے تو اس کا نصیب۔

ہاں اگر کوئی بدقسمت اس گناہِ کبیرہ کو حلال جان کر خودکشی کرے تو اس کی مغفرت کبھی نہ ہوگی کہ اسے حلال جاننا کفر ہے اور کفر کبھی بخشا نہ جائے گا۔

ارشادِ باری ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ

ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ.

بے شک اللہ شرک (وکفر) کو نہ بخشے گا اور اس کے سوا دوسرے گناہ جس کے لیے چاہے بخش دے گا (قرآن حکیم) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) نمازِ عید عورتوں کے لیے نہیں۔ بہارِ شریعت میں دُرِ مختار کے حوالے سے ہے:

"عورتوں کو کسی نماز میں جماعت کی حاضری جائز نہیں، جمعہ و عیدین، ہاں وہ چاہیں تو نمازِ عید کے بعد دو رکعتیں نمازِ چاشت کی نیت سے پڑھ لیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

رمضان میں مرنے اور روحوں کے رہنے کا مقام

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل میں کہ:

(۱) کون سے موقع پر مردہ کی روح گھر پر آتی ہے؟

(۲) رمضان شریف کے مہینے میں مردوں پر اللہ کا فضل وکرم ہوتا ہے، کیا ہوتا ہے؟ قبر کے اندر مردہ کی روح رہتی ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) مومنین کی روحیں شبِ جمعہ اور روزِ جمعہ اور روزِ عید و روزِ عاشورہ و شبِ براءت میں اپنے اپنے گھر آتی ہیں، اس کی تفصیل و تحقیق فتاویٰ رضویہ ص:۱ ۲۳ تا ص:۵ ۲۳، ج:۴، رسالہ مبارکہ اتیان الأرواح لدیارھم بعد الرواح میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) جو مسلمان رمضان شریف کے مبارک مہینے میں وفات پاتے ہیں وہ اللہ کی رحمت سے نکیرین کے سوال اور عذابِ قبر سے محفوظ رہتے ہیں۔ بہارِ شریعت میں ہے:

"یہ حدیث سے ثابت ہے کہ جو مسلمان شبِ جمعہ یا روزِ جمعہ، یا رمضان مبارک کے کسی دن رات میں مرے گا سوالِ نکیرین وعذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔" (بہارِ شریعت، ص:۱۰۹، حصہ:۱، عالمِ برزخ کا بیان)

واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) میت کی روح قبر کے اندر نہیں رہتی مگر جہاں کہیں بھی رہتی ہے میت سے اس کا تعلق برقرار رہتا ہے، بہارِ شریعت میں اس کی تفصیل یہ ہے:

"مرنے کے بعد مسلمان کی روح حسبِ مرتبہ مختلف مقاموں میں رہتی ہے، بعض کی قبر پر، بعض کی چاہِ زمزم شریف میں، بعض کی آسمان و زمین کے درمیان، بعض کی پہلے، دوسرے، ساتویں آسمان تک اور بعض کی آسمانوں سے بھی بلند، اور بعض کی روحیں زیرِ عرش قندیلوں میں، اور بعض کی اعلیٰ علیین میں مگر کہیں ہوں، اپنے جسم سے اُن کو تعلق بدستور رہتا ہے۔ جو کوئی قبر پر آئے اُسے دیکھتے، پہچانتے، اُس کی بات سنتے ہیں، بلکہ روح کا دیکھنا قربِ قبر ہی سے مخصوص نہیں، اِس کی مثال حدیث میں یہ فرمائی ہے، کہ "ایک طائر پہلے قفص میں بند تھا اور اب آزاد کر دیا گیا۔"

ائمہ کرام فرماتے ہیں: "إِنَّ النُّفُوْسَ الْقُدْسِيَّةَ إِذَا تَجَرَّدَتْ عَنِ الْعَلَا ئِقِ الْبَدَنِيَّةِ اتَّصَلَتْ بِالْمَلَإِ الْأَعْلٰى وَتَرٰى وَتَسْمَعُ الكُلَّ كَالْمُشَاهِدِ."

"بیشک پاک جانیں جب بدن کے علاقوں سے جدا ہوتی ہیں، عالمِ بالا سے مل جاتی ہیں اور سب کچھ ایسا دیکھتی سنتی ہیں جیسے یہاں حاضر ہیں۔"

حدیث میں فرمایا: إِذَا مَاتَ الْمُؤْمِنُ يُخَلّٰى سَرْبُهٗ يَسْرَحُ حَيْثُ شَاءَ.

"جب مسلمان مرتا ہے اُس کی راہ کھول دی جاتی ہے، جہاں چاہے جائے۔" (بہارِ شریعت، ص:۱۰۱، تا ۱۰۳) واللہ تعالیٰ اعلم۔

J.C.B. مشترکہ خرید کر کرائے پر چلوانے کا حکم

(۱) ہمارے یہاں چند لوگ مل کر گاڑی یا J.C.B مشین وغیرہ خریدتے ہیں اور اس کو پارٹنر میں سے کسی ایک کو کرائے پر چلانے کے لیے ذمہ دے دیتے ہیں اس میں ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ جو آمدنی ہوتی ہے اس کو اپنے حصہ کے حساب سے بانٹ لیتے ہیں، کیا دوسرے شرکا کے بغیر اجازت کے چلانے والا پارٹنر آمدنی کی رقم خرچ کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) اور اس طرح دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ چلانے والا پارٹنر دوسرے پارٹنر کی آمدنی متعیّن کر دیتا ہے کہ سال میں اتنی رقم دونگا، کیا یہ صورت جائز ہے؟

(۳) ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ ایسے آدمی کو کرایہ پر چلانے کے لیے دی جاتی ہے جو حصہ دار نہیں ہوتا، وہ بھی رقم متعیّن کر دیتا ہے کہ سال میں اتنی رقم دیں گے، کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟

الجواب

(۱) گاڑی چلانے والا پارٹنر اپنے دوسرے ساتھیوں کا اجیر ہے اور جو آمدنی کرائے کے ذریعے ہوتی ہے وہ اس اجیر کے پاس امانت، وہ اس میں اپنے طور پر کوئی تصرف نہیں کر سکتا کہ امانت میں خیانت ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲، ۳) ان صورتوں میں گاڑی سال بھر کے لیے متعیّن کرائے پر دی گئی اور یہ شرعاً جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ☆☆☆

فکر امروز

مذہبی رواداری اور اسوۂ رسولِ کریم ﷺ

محمد ضیاء الدین برکاتی

★ عہد حاضر کا مؤرخ مائیکل ایچ ہارٹ نے اپنی کتاب میں دنیا کی سو عظیم شخصیات میں پیغمبر اسلام ﷺ کو سب سے پہلے رکھا ہے اور اس کی وجہ بھی بیان کی ہے:

”قارئین میں سے ممکن ہے کچھ لوگوں کو تعجب ہو کہ میں نے دنیا جہان کی مؤثر ترین شخصیات میں محمد (ﷺ) کو سر فہرست کیوں رکھا اور مجھ سے توجیہ طلب کریں گے۔ حالانکہ کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں صرف وہی ایک ایسے انسان تھے جو دینی اور دنیوی دونوں اعتبار سے غیرمعمولی طور پر کامیاب، اور سرفراز ٹھہرے۔“

رواداری انسانوں کے فطری حقوق کی پاس داری کا نام ہے۔ یہ حقوق مختلف قسم کے ہیں: مذہبی اعمال اور قوانین کو برتنے کے حقوق، قبائلی اور علاقائی حقوق، خانگی اور معاشرتی حقوق اور پھر جانوروں، درختوں، سبزہ زاروں اور فطری خوب صورتی کے حقوق اور ان سب کی عملی طور سے پاس داری کا نام رواداری ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس رواداری کا صحیح منظر نامہ دنیا نے عہد رسالت میں دیکھا، جب محسن انسانیت نبی آخر الزماں ﷺ نے عمل کی زمین پر حقیقی رواداری کے سبزے اگائے اور حقوق کی پاس داری کا خوش گوار چمن آباد کر دیا۔

لیکن ہر دور میں دشمنانِ اسلام دینِ اسلام کی حقانیت کو مجروح کرنے کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کرتے رہے، خصوصاً کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ اسلام کی عالمگیر مقبولیت کے خلاف عنادیہ پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، جزیہ کی وصولی کو وہ غیر مسلموں کو مجبور کر کے اسلام میں داخل کرنے کا حربہ قرار دیتے ہیں، وہ اپنے دلوں کی منافقت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں پر ہر طرح سے ظلم و جبر کو روا رکھا، ان کے حقوق تلف کیے اور مذہبی رواداری کے نام پر اسلام کی تبلیغ کی حالانکہ تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ ساری باتیں بے بنیاد اور بے اصل ہیں اور رسول اکرم ﷺ پر بہتان لگائے جا رہے ہیں۔

حق یہ ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام نے دس سال کی انتہائی مختصر مدت میں دین اسلام کو عربوں اور دنیا کے مختلف المزاج بے شمار انسانوں کے دل و دماغ میں پیوست کر دیا، عربی زبان سے نہیں بلکہ عمل کی زبان سے، کسی ہتھیار سے نہیں بلکہ اخلاق کی زبان سے اور سخت گیر قوانین سے نہیں بلکہ رواداری نظام کے ذریعے۔ اس حقیقت کا اعتراف دنیا کے تمام مفکرین اور تاریخ دانوں بلکہ بادشاہوں اور حکمرانوں نے بھی کیا ہے اور گنتی کے چند افراد نے منفی باتیں بھی لکھی ہیں لیکن ان کی تعداد سو میں ایک فیصد بھی نہیں، اس لیے ان کا تذکرہ کرنا اپنا وقت ضائع کرنا ہے جیسے انہوں نے اپنا وقت ضائع کیا ہے۔ اب ملاحظہ کریں مذہبی رواداری اور آپ ﷺ کے اسوۂ کریم کے منظر نامے:

یہودیوں کے ساتھ مذہبی رواداری:

پیغمبر اسلام ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو اس وقت مدینہ میں یہودیوں کا کافی زور تھا، مدینہ کے اطراف میں یہودیوں کے تین قبیلوں بنو قنیقاع، بنو نضیر اور بنو قریضہ کا بڑا رعب تھا، انھوں نے اپنے لیے بڑے بڑے قلعے بنا لیے تھے اور مدینہ کے دو قبیلے اوس اور خزرج کو اپنی فتنہ انگیزیوں سے لڑایا کرتے، جس سے یہ قبیلے پریشان رہا کرتے تھے، جب دھیرے دھیرے اسلام کا زور بڑھنے لگا تو نبی کریم ﷺ یہودیوں کی شر انگیزیوں اور بد باطنی سے واقفیت رکھنے کے باوجود ان کے اور مسلمانوں کے تعلقات خوش گوار بنانے اور مذہبی رواداری کو قائم کرنے کی کوشش فرمائی اور ایک معاہدہ لکھوایا جس کے شرائط یہ قرار پائے:[۱]

(۱) خوں بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا تھا، اب بھی قائم رہے گا۔

(۲) یہود کو پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔

(۳) یہود اور مسلمان آپس میں دوستانہ تعلقات رکھیں گے۔

(۴) فریقین میں سے جب کسی تیسرے فریق سے جنگ ہوگی

تو وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

(۵) کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔

(۶) کوئی بیرونی طاقت مدینہ پر حملہ کرے گی تو دونوں مل کر مدافعت کریں گے۔

(۷) کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک ہوگا، البتہ مذہبی لڑائیاں اس سے مستثنیٰ رہیں گی۔

☆جنگ خیبر ۷ھ میں مسلمانوں نے یہودیوں کے جانور اور مال لوٹ لیے، اس پر آں حضرت ﷺ کا چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا، اور آپ نے تمام لوگوں کو جمع کرکے فرمایا: "خدا نے تم لوگوں کے لیے یہ نہیں جائز کیا کہ اہل کتاب کے گھروں میں گھس جاؤ مگر با اجازت اور نہ یہ کہ ان کی عورتوں کو مارو، نہ یہ کہ ان کے پھل کھاؤ۔"[۲]

☆ایک دفعہ ایک یہودی نے بر سر بازار کہا کہ قسم اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام انبیا پر فضیلت دی۔ ایک صحابی نے یہ سن کر پوچھا" محمد ﷺ پر بھی" تو اس نے کہا" ان پر بھی" صحابی نے غصہ میں آکر اس کو ایک تھپڑ مار دیا۔ وہ یہودی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی، آپ نے صحابی پر برہمی کا اظہار فرمایا۔[۳]

☆رسول اللہ ﷺ کی مذہبی رواداری کا یہ عالم تھا کہ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں پر کافروں کے ذریعے ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے تو اس سے متاثر ہو کر ایک صحابی نے عرض کیا کہ ان دشمنوں کے حق میں بد دعا فرمائیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا۔[۴]

کفار و مشرکین کے ساتھ مذہبی رواداری:

☆مکہ میں جن دنوں مسلمانوں پر مظالم ہو رہے تھے تو سخت قحط پڑ گیا، لوگ ہڈی اور مردار کھانے لگے۔ آپ ﷺ کے شدید دشمن ابو سفیان (جو فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے) نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ محمد! تمھاری قوم ہلاک ہو رہی ہے، اللہ سے دعا کرو کہ یہ مصیبت جاتی رہے۔ آپ ﷺ نے فوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے اور اللہ نے اس مصیبت کو دور کر دیا۔[۵]

☆حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میری والدہ جو کہ مشرکہ تھیں معاہدۂ قریش کے زمانے میں اپنے لڑکے کے ساتھ میرے پاس آئیں، تو میں نے ان کے بارے میں سرکار ﷺ سے مسئلہ پوچھا اور عرض کیا کہ میری ماں میرے پاس آئی ہیں اور وہ مجھ سے ملاقات کی خواہش مند ہیں، کیا میں ان سے مل سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے رواداری کا ثبوت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ہاں! تم ان سے مل سکتی ہو۔[۶]

عیسائیوں کے ساتھ مذہبی رواداری:

☆رسول اللہ ﷺ کی کوئی لڑائی عیسائیوں سے نہیں ہوئی، ان سے معاہدے ہوتے رہے۔ ۶ھ میں آپ ﷺ میں سینا پہاڑی کے راہبوں کو بڑی مراعات دیں جو رواداری کی شاندار مثال ہے۔

اس چارٹر میں آپ نے اپنے پیروؤں کی طرف سے یہ ضمانت لی کہ عیسائیوں کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے گا، ان کے گرجے اور ان کے پادریوں کی پوری حفاظت کی جائے گی، ان سے غیر منصفانہ طور پر ٹیکس نہیں لگائے جائیں گے، کسی عیسائی کو جبر سے اس کے مذہب سے منحرف نہ کیا جائے گا، کوئی راہب اپنی خانقاہ سے نہ نکالا جائے گا، کوئی عیسائی اپنے مقدس مقامات کی زیارت کو جائے گا تو اس سے کوئی مزاحمت نہ کی جائے گی، کسی گرجے کو منہدم کرکے مسجد یا کسی مسلمان کا گھر نہیں بنایا جائے گا، جو عیسائی عورتیں مسلمانوں کے نکاح میں ہیں ان کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کی پوری اجازت ہوگی، ان پر مذہب کی تبدیلی کے لیے کوئی جبر اور زور نہ ڈالا جائے گا، اگر عیسائیوں کو ان کے گرجوں، خانقاہوں اور مذہبی عمارتوں کی مرمت کے لیے امداد کی ضرورت ہوگی تو مسلمان ان کو مالی امداد دیں گے، ان شرائط کی خلاف ورزی مسلمان کریں گے تو ان کو سخت سزائیں دی جائیں گی۔[۷]

☆عیسائیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ اچھا سلوک کیا۔ حاتم طائی کے بیٹے عدی اپنے قبیلے کے سردار اور مذہباً عیسائی تھے۔ جس زمانے میں اسلامی فوجیں یمن گئیں یہ بھاگ کر شام چلے گئے، ان کی بہن گرفتار ہو کر مدینہ آئیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو بڑی عزت کے ساتھ رخصت کیا۔ وہ اپنے بھائی عدی کے پاس گئیں اور کہا کہ جس قدر جلد ہوسکے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو، وہ پیغمبر ہوں یا بادشاہ، ہر حال میں ان کے پاس جانا مفید ہے۔ عدی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے ایسے متاثر ہوئے کہ اسلام قبول کر لیا۔[۸]

☆نجران کے عیسائیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا جو برتاؤ رہا، وہ رواداری کی بڑی بے نظیر مثال ہے۔ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ ﷺ مسجد نبوی میں نماز عصر پڑھ کر فارغ ہوئے تھے، آپ ﷺ نے ان کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا، جب ان کی نماز کا وقت قریب ہوا تو ان کو اپنے طریقے پر مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دی۔[۹]

قاصدوں کے ساتھ مذہبی رواداری:

پیغمبر ﷺ غیر مسلم قاصدوں کے ساتھ مذہبی رواداری کا برتاؤ پیش کرتے اور ان کی عزت و آبرو کے حفاظت کرنے کی تاکید کرتے تھے، ان کی اعلیٰ ضیافت کا انتظام فرماتے، واپسی کے وقت قیمتی تحائف پیش فرماتے۔ ایک بار بادشاہ ہرقل کا قاصد سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو سرکار ﷺ نے ان کی واپسی پر انھیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسط سے ایک قیمتی صفوری جوڑا عنایت فرمایا۔[10]

☆حضرت ابو رافع فرماتے ہیں کہ مجھے قریش نے رسول اللہ ﷺ کے پاس قاصد بنا کر بھیجا، جب میں نے حضور ﷺ کا دیدار کیا تو میرے دل میں اسلام ڈال دیا گیا، لہذا میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اب میں قریش کے پاس لوٹ کر نہیں جاؤں گا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، بے شک میں بدعہدی نہیں کرتا اور نہ ہی میں قاصدوں کو ذلیل کرتا ہوں، لہذا تم واپس جاؤ اگر تمھارے دل میں جو چیز ہے، باقی رہے پھر آنا۔[11]

☆تاریخ اس بات پر بھی گواہ ہے کہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن پر قبول اسلام سے پہلے نقض عہد کا الزام تھا اور وہ سرکار ﷺ کی خدمت میں قریش کے قاصد کی حیثیت سے آئے تو آپ ﷺ نے ان سے کوئی تعرض نہ فرمایا، نقض عہد کا جرم لائق گردن زنی تھا لیکن چوں کہ وہ مشرکین کے قاصد کی حیثیت سے سرکار ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، اس لیے انھیں رواداری کو قائم رکھنے کے لیے جانے دیا۔[12]

جنگ میں مذہبی رواداری:

آپ ﷺ نے مذہبی رواداری کا لحاظ جنگ جیسے نازک موقعوں پر بھی کیا۔ آپ ﷺ نے جنگ میں میں لڑنے کے جو اصول و قوانین مرتب کیے ان میں سے سبھی قابل ذکر ہیں، چند ملاحظہ کریں:[13]

(۱) کسی بوڑھے، کسی بچے یا کسی عورت کو قتل نہ کیا جائے۔

(۲) دوران جنگ دشمن کے مال اور خاندان کو نہ لوٹا جائے۔

(۳) مقتولوں کا سر کاٹ کر گشت نہ کرایا جائے۔

(۴) دشمن کو گرفتار کر کے کسی چیز سے باندھ کر تیروں سے نشانہ یا تلواروں سے نہ کاٹا جائے۔

(۵) جنگ میں جو لوگ گرفتار ہوں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے۔

(۶) دشمن اگر صلح کے لیے جھکیں تو ان سے صلح کر لی جائے۔

(۷) معاہدہ کا پیام لے کر کوئی قاصد آئے تو اس کے جان کی پوری حفاظت کی جائے، اگر اس سے اختلاف بھی ہو تو کسی حال میں قتل نہ کیا جائے۔

(۸) دشمنوں سے معاہدہ کی پابندی ہر حال میں کی جائے۔

(۹) جنگ میں قتل ہونے والے مقتولین کا مثلہ نہ کیا جائے، ان کے ناک، کان، آنکھ نہ کاٹے جائیں، ان کے چہرے کو مسخ نہ کیا جائے۔

☆حضرت رباح بن ربیع کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں شریک تھے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو کسی چیز پر اکٹھا دیکھا تو ایک شخص کو بھیجا کہ لوگ کیوں جمع ہیں، اس نے آکر بتایا کہ لوگ ایک مقتول عورت کے ارد گرد جمع ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ تو جنگ نہیں کر رہی تھی، خالد ابن ولید اس لشکر کے امیر تھے، حضور ﷺ نے انہیں ایک شخص کے ذریعہ حکم دیا کہ خالد سے کہہ دو کہ عورت اور کسی مزدور کو قتل نہ کیا جائے۔[14]

اس سے بہتر جنگ میں بھی مذہبی رواداری قائم کرنے کے اصول وضوابط دنیا، نہ پیش کر سکتی ہے اور نہ ہی دکھا سکتی ہے۔

جنگی قیدیوں کے ساتھ مذہبی رواداری:

جنگ بدر کے خاتمہ کے بعد دشمنان اسلام اسیران جنگ بن کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان جنگی قیدیوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ نفس رواداری کی اعلیٰ مثال ہے۔ یہ قیدی دو دو، چار چار کر کے صحابہ کرام میں تقسیم کر دیے گئے، جن کے پاس کپڑے نہیں تھے انھیں کپڑا دلوایا۔ آپ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ وہ آرام کے ساتھ رکھے جائیں، ۔صحابہ نے اس حکم کی تعمیل کی، وہ خود کھجور کھا کر رہ جاتے مگر اپنے دشمنوں کو پورا کھانا کھلاتے تھے۔[15]

ان قیدیوں میں ابو عزیز کا بیان ہے کہ انصار جب صبح یا شام کو کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اٹھا لیتے، مجھ کو شرم آتی اور روٹی ان کو ہاتھ میں دے دیتا لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور مجھ کو واپس دے دیتے اور یہ اس بنا پر تھا کہ آنحضرت ﷺ نے تاکید کی تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ آخر میں آپ ﷺ نے ان قیدیوں سے فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیا اور مکہ واپس جانے کی اجازت دے دی۔ ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جا سکتی تھی اور اگر وہ قبول نہ کرتے تو ان کو قتل کیا جا سکتا تھا مگر ایسا نہیں کیا گیا۔[16]

اسی طرح اسیران جنگ میں سے ایک شخص سہیل بن عمرو تھا جو عام مجمعوں میں ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف اشتعال انگیز اور گستاخانہ تقریریں کیا کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کو مشورہ دیا کہ اس گستاخ کے نیچے کے دانت اکھڑوا دیجئے تاکہ یہ آپ کی شان میں گستاخانہ تقریریں نہ کر سکے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اگر چہ میں نبی ہوں لیکن پھر بھی اگر اس کا کوئی عضو بیکار کر دوں گا تو اس

کے لیے روز قیامت جواب دہ ہوں گا۔ (۱۷)

دنیا کی تاریخ میں کوئی بھی ایسا واقعہ پیش نہیں کیا جا سکتا کہ کسی قوم نے اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ ایسا شریفانہ سلوک کیا ہو۔

مجرموں کے ساتھ مذہبی رواداری :

یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش کی، ان پر دو آدمیوں کے قتل کا خوں بہا واجب الادا تھا۔ آنحضرت ﷺ اس مطالبہ کے لیے ان کے پاس تشریف لے گئے تو ایک یہودی نے ایک کوٹھے پر سے پتھر لڑھکا کر آپ کو شہید کرنے کی کوشش کی مگر آپ کو اس کی پہلے ہی خبر ہو گئی اور آپ ﷺ بچ گئے۔ چند دنوں کے بعد یہودیوں میں سے بنی قریضہ نے گذشتہ معاہدے کی تجدید کر لی، بنو نضیر سے بھی اس کی تجدید کرنے کو کہا گیا تو وہ راضی نہیں ہوئے بلکہ اس کے بجائے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ تین آدمی لے کر تشریف لائیں وہ بھی تین عالم ساتھ لائیں گے، اگر ان کے عالم آپ پر ایمان لائے تو وہ بھی آپ پر ایمان لائیں گے۔ آپ نے منظور فرمالیا، لیکن جلد ہی معلوم ہوا کہ انھوں نے اس بہانہ سے شہید کرنے کے لیے بلایا ہے۔ ان کی اس سرکشی سے مجبور ہو کر آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کیا، پندرہ دن بعد انھوں نے صلح کر لی اور اپنے مال و متاع کے ساتھ خیبر منتقل ہو جانے کے طلب گار ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت دے دی اور وہ اپنے پورے مال و متاع کے ساتھ منتقل ہو گئے اور ان سے کسی قسم کی باز پرس بھی نہ کی گئی۔ (۱۸)

☆ حضرت جعدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک روز دیکھا کہ ایک شخص کو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا اور بتایا گیا کہ اس شخص نے آپ ﷺ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا ہے، نبی کریم ﷺ نے اس شخص سے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: لن تراع، لن تراع (ہرگز خوف نہ کھاؤ، ہرگز خوف نہ کھاؤ) پھر ارشاد فرمایا کہ اگر تو ارادہ کرتا، تب بھی اللہ تعالیٰ تجھ کو مسلط نہ کرتا۔ (۱۹)

دشمنوں سے ایسی رواداری کی مثال کسی اور قوم کی تاریخ میں ڈھونڈھنے سے بھی نہیں ملے گی، جب کہ یہودیوں کی کتاب توریت میں لڑنے والے دشمنوں کے متعلق یہ حکم ہے کہ وہ سب کے سب قتل کر دیے جائیں، ان کی عورتیں اور بچے گرفتار کر لیے جائیں اور ان کا سارا سامان مال غنیمت سمجھا جائے۔

کافروں کے مال و متاع کے ساتھ مذہبی رواداری :

فتح خیبر کے بعد مسلمانوں نے وہاں کی زمینوں پر قبضہ کر لیا، یہودیوں نے درخواست کی کہ زمینیں ان کے قبضہ میں رہنے دی جائیں، وہ پیداوار کا نصف حصہ ادا کیا کریں گے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی التجا کو منظور کر لیا۔ بٹائی کا وقت آیا تو غلہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اور یہودیوں سے کہا گیا کہ ان میں جو حصہ چاہیں وہ لے لیں۔ (۲۰)

☆ جنگ خیبر کے موقع پر مسلمانوں کو مال غنیمت کے ساتھ ساتھ توریت کے چند نسخے بھی ہاتھ آئے، یہودی سرکار ﷺ کی بارگاہ میں ان نسخوں کو طلب کرنے کے لیے حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے ان کے ساتھ مذہبی رواداری کا ثبوت پیش کرتے ہوئے صحابہ کو حکم دیا کہ یہودیوں کو توریت کے نسخے واپس کر دیے جائیں۔ (۲۱)

صلح حدیبیہ میں مذہبی رواداری :

۶ھ میں صلح حدیبیہ واقع ہوئی جو رسول اللہ ﷺ کی مذہبی رواداری کی اعلیٰ ترین مثال ہے، یہ صلح بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھی مگر مذہبی رواداری کو قائم کرنے کے لیے آپ ﷺ نے اسے قبول کر لیا۔ حضور اکرم ﷺ اور یہودیوں کے درمیان جو معاہدہ ہوا اس کے چند دفعات مندرجہ ذیل ہیں: (۲۲)

(۱) مسلمان اس سال مدینہ واپس چلے جائیں، مکہ کے اندر نہ آئیں آئندہ سال آئیں، تین دن قیام کریں مگر ان کی تلواریں نیام میں رہیں۔

(۲) قریش کا جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر مدینہ پہنچ جائے گا تو وہ اس کے ولی کے پاس بھیج دیا جائے گا۔

(۳) اگر مدینہ سے کوئی شخص قریش کے پاس جائے گا تو واپس نہیں کیا جائے گا۔

کیا دنیا کی کوئی قوم اپنا نقصان اٹھا کر مذہبی رواداری کی یہ مثال قائم کر سکتی ہے؟

فتح مکہ میں مذہبی رواداری:

۸ھ میں آپ ﷺ نے مکہ کو فتح کیا جہاں تک کسی ملک یا علاقہ کو فتح کرنے کا سوال ہے، تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ جب کوئی بادشاہ، یا ڈکٹیٹر یا کوئی جنرل کسی ملک یا علاقہ کو فتح کرتا ہے تو انسانی آبادی خاک و خون میں لت پت ہو جاتی ہے، ہنستے بستے شہر کھنڈر میں تبدیل ہو جاتے ہیں، بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں اور ظلم و بربریت کی وہ کہانی دہرائی جاتی ہے جسے دیکھ کر انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے لیکن آنحضرت ﷺ کی فتح میں ہلاکت و بربادی نہیں بلکہ آپ ﷺ مکہ میں جب داخل ہوتے ہیں تو پیشانی مبارک نہایت عاجزی سے جھکی ہوتی ہے اور اعلان فرماتے ہیں: (۲۳)

(۱) جو شخص مقابلے سے ہاتھ روک لے اسے امان ہے۔

(۲) جو اپنے گھر کے دروازے بند کرلے اسے امان ہے۔
(۳) جو اپنی تلوار میان میں رکھ لے اسے امان ہے۔
(۴) جو ابوسفیان یا حکیم ابن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔
(۵) جو مسجد حرام میں پناہ لے اسے امان ہے۔
(۶) جو شخص بھاگے اس کا پیچھا نہ کیا جائے۔

رسول اکرم ﷺ نے فتح مکہ میں دنیا کے سامنے یہ تاریخ بھی رقم کردی کہ مذہبی رواداری کے بل بوتے پر بھی علاقوں کو فتح کیا جاسکتا ہے۔ یہ وہی مکہ تھا جہاں آپ کے جانی دشمن رہا کرتے تھے، آپ ﷺ پر اور آپ کے اصحاب پر ان لوگوں نے ظلم کے پہاڑ توڑے، جنھوں نے مسلمانوں کی خوں ریزی، غارت گری اور آبرو ریزی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ آپ ﷺ اگر چاہتے تو ایک ایک سے انتقام لیتے، انھیں تہ تیغ کردیتے اور ان کے مال و متاع پر قبضہ کرلیتے، لیکن آپ ﷺ نے کسی پر تلوار نہ اٹھائی بلکہ سب کو معاف کردیا۔

کیا مذہبی رواداری کی اس سے بہتر مثال کسی اور مذہب کی تاریخ میں مل سکتی ہے؟ کیا دنیا اس کے علاوہ کوئی اور نظیر پیش کرسکتی ہے کہ جس میں قتل و غارت گری سے پاک ہو کر کوئی علاقہ فتح کیا گیا ہو اور دشمنوں کو معاف کردیا گیا ہو؟

خطبۂ حجۃ الوداع میں مذہبی رواداری:

خطبۂ حجۃ الوداع، وحدت الٰہی اور وحدت آدم کا ایسا آفاقی اعلان نامہ ہے، جسے انسانی تہذیب کی روحانیت، مذہبی رواداری اور تخلیقی سفر کی منزلِ مراد کہا جاسکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اگر انسانی تہذیب کے انتہائے کمال کو زبان میسر آجائے تو اس سے بالکل وہی الفاظ جاری ہوں گے جو اس خطبے میں نبی آخر الزماں ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے، جس میں رنگ و نسل کی بنیاد پر اونچ نیچ کو ختم کر دیا گیا، ہر طرح کے تشدد کو یکسر مسترد کر دیا گیا، سبھوں کے ساتھ مساوات کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا، جنگ و جدل اور خون ریزی کو یکسر مسترد کر دیا گیا، خدا کا خوف دلایا گیا کہ تمہیں اپنے ہر عمل کے سلسلے میں اپنے خدا کے حضور جواب دہ ہونا ہے۔ (۲۴)

لیکن یہ اعلان نامہ محض لفظوں کا مجموعہ نہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان لفظوں کی بنیاد پر جو انسانی معاشرہ وجود میں آیا وہ فرد کی آزادی، فرد و معاشرے کے مابین رشتے کے توازن، مذہبی رواداری کا منبع، انسانی صلاحیتوں کے اعلیٰ ترین تخلیقی اظہار اور اخلاقی و روحانی پاکیزگی کے لحاظ سے آج تک اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا۔

وہیں دوسری طرف اقوام متحدہ کی طرف سے جاری "حقوق انسانی کا عالمی منشور" جس میں دنیا میں امن و امان قائم کرنے کے لیے مذہبی رواداری کو بھی ملحوظ رکھا گیا جسے آج تک نافذ کرنے میں کامیابی نہیں ملی مگر خطبۂ حجۃ الوداع کے چودہ صدیوں کے بعد جاری ہونے والا یہ اعلان جو دنیا کے تقریباً تمام ملکوں کے اعلیٰ ترین دماغوں کی دانشورانہ و تخلیقی کاوشوں کا ثمرہ ہے، ہر لحاظ سے بصیرت محمدی کے نور میں نہایا ہوا ہے۔ مسلمانوں کی تہذیبی و سیاسی زوال کے بعد انسانی تاریخ جن گلی کوچوں اور شاہراہوں سے گزری ہے اس کے زیر اثر کئی تبدیلیاں آئیں مثلاً انقلاب فرانس و انقلاب روس اور انقلاب انگلینڈ وغیرہ جو اس سفر کے کچھ سنگ میل ہیں۔ یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ دنیا کو تاریخ کی ان سنگلاخ وادیوں میں یوں نہ بھٹکنا پڑتا اور اس تہذیبی اذیت کے تجربے نہ کرنے پڑتے اگر وہ اسلام کے روحانی و دانشورانہ عرفان و آگہی سے وابستہ رہی ہوتی۔ آج دنیا کے پاس مذہبی رواداری کا منشور تو ہے مگر اس کا احترام نہیں کیوں کہ وہ اس روحانی قوت و خلوص نیت اور جرأت عمل سے محروم ہے جسے محمد ﷺ کی معجزہ کار شخصیت نے انسانوں کے پیکر خاکی میں ایک برقی رو کی طرح دوڑا دیا۔

پہلی اور دوسری عالمی جنگ عظیم میں کروڑوں افراد جاں بحق ہوئے، ہر طرف افراتفری کا عالم تھا۔ اس وقت عالمی طاقتوں نے مل کر دنیا میں امن و امان اور ساتھ ہی مذہبی رواداری کو قائم کرنے کے لیے ایک عالمی بورڈ منتخب کیا جسے اقوام متحدہ کہا جاتا ہے تاکہ پوری دنیا میں اس کے بتائے ہوئے اصول و ضوابط پر عمل کرایا جاسکے۔

اقوام متحدہ کی مذہبی رواداری کے دفعات پر ایک نظر:

اقوام متحدہ نے حقوق انسانی اور مذہبی رواداری کے لیے جتنے بھی قوانین بنائے، وہ تمام قوانین و منشور آپ ﷺ کے ذریعے فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے موقعے پر رسول اللہ ﷺ کے ذریعے دیے گئے خطبوں سے ہی لیا گیا ہے۔ یہاں صرف بطور نمونہ ان میں سے کچھ دفعات کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ اقوام متحدہ نے ان قوانین کو پاس تو کرلیا ہے لیکن آج تک اس پر عمل درآمد نہیں کرا سکا جب کہ دوسری جانب رسول اللہ ﷺ نے پہلے ان قوانین پر عمل کیا پھر اسے دنیا کے سامنے نافذ کرکے بھی دکھا دیا:

☆ عالمی منشور کے آرٹیکل نمبر ۹ میں ہے کہ "ہر شخص کو خیال، ضمیر اور مذہب کی آزادی کا حق ہے۔" اور آرٹیکل نمبر ۱۰ میں ہے کہ "ہر شخص کو آزادی اظہار کا حق ہے۔" (۲۵)

بدقسمتی سے یہ دفعہ صرف کاغذی حصہ بن کر رہ گئی ہے۔اس دستور کے مرتبین اور طاقتور ریاستیں اس بنیادی حق سے عام انسانوں کو محروم کر رہی ہیں اور اسے دوسرے مذاہب اور اہل مذاہب کی اہانت اور اپنے ذاتی، ملکی اور سیاسی مفادات کے لیے استعمال کر رہی ہیں، آج دنیا کے بہت سے ممالک بشمول ہندوستان میں تبدیلی مذہب پر پابندی کی بات ہو رہی ہے، پوری دنیا میں آج بنام دین اسلام مسلمانوں کے ساتھ ظلم وجبر کیا جا رہا ہے، آزادی اظہار کے نام پر مغربی دنیا اسلامی نظریات کا مذاق اڑا رہی ہے لیکن اس آزادی اظہار مذہب کے نام پر کوئی بھی مذہب، مغربی قوانین اور ان کی پالیسی کے خلاف کچھ نہیں بول سکتا۔

مصطفی جان رحمت ﷺ نے صدیوں پہلے انسانوں کو عقیدے، فکر رائے اور مذہب کی آزادی دے دیا تھا، اسلام کے نزدیک اگر کوئی شخص کوئی عقیدہ اختیار کیے ہوئے ہے تو اس پر کوئی پابندی اور جبر نہیں کہ اسے دوسرا دین اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے۔ ارشاد پاک ہے: لاا کراہ فی الدین: دین میں کوئی جبر نہیں۔ (۲۶)

ایک یہودی ہے تو یہودی رہے، ایک عیسائی ہے تو عیسائی رہے، ایک ہندو ہے تو ہندو رہے۔ اس کے مذہب و عقیدہ پر کوئی دباؤ نہیں، ہاں! لیکن انھیں اسلام کی دعوت ضرور دی جائے گی، اسے حقیقت سے آگاہ ضرور کیا جائے گا لیکن زبردستی اسلام میں داخل نہیں کیا جائے گا۔ رسول اکرم ﷺ نے اس حوالے سے اپنے رب کا فرمان دنیا کے سامنے پیش کر دیا:

و قل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر "فرمادو کہ حق تمھارے رب کی طرف سے ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔" (۲۷)

دنیا کا کوئی انصاف پسند مؤرخ یا محقق ایسی کوئی مثال نہیں پیش کر سکتا کہ آپ ﷺ نے مذہبی رواداری کی اس اعلیٰ ترین مثال سے کبھی انحراف کیا ہو۔

☆ عالمی منشور کے آرٹیکل نمبر ۷ میں ہے کہ "قانون کی نگاہ میں ہر شخص برابر ہے" اور آرٹیکل نمبر ۸ میں ہے کہ "ہر شخص کو اپنے اوپر ہوئے مظالم کے خلاف عدالت میں جانے کا اختیار ہے" (۲۸)

لیکن یہ قوانین بھی صرف منشور کی زینت کے لیے ہیں۔ دنیا میں ان کے نفاذ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ دور کیوں جائیے ان دفعات کی حیثیت اس حقیقت سے دو کوڑی رہ جاتی ہے کہ برطانیہ میں آج بھی کوئن آف ویلز اور شاہی خاندان کے خلاف برطانیہ کی کسی بھی عدالت میں کوئی بھی مقدمہ دائر نہیں کیا جا سکتا۔ برطانیہ اور امریکہ نے بر سوں سے ہزاروں بے گناہ افراد کو سیاسی قیدی بنا کر گوانتا ناموبے اور ابوغریب جیل میں قید کر رکھا ہے اور ان پر ظلم و بربریت کی ساری حدیں جائز کر دی ہیں مگر ان میں سے آج تک کسی بھی فرد کو اپنے اوپر ہوئے ظلم کے خلاف کسی بھی عدالت میں صفائی دینے کا موقع نہیں دیا گیا۔

دوسری طرف مصطفی ﷺ کی مذہبی رواداری اور انسانی حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں مقدس کردار ملاحظہ فرمائیں جس کی مثال دنیا کا کوئی بھی منشور دینے سے قاصر ہے۔ عہد رسالت میں ایک معزز قبیلے کی عورت پر چوری کا الزام ثابت ہو جاتا ہے، آپ ﷺ اسلامی قانون کے تحت اس جرم کی پاداش میں اس عورت کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم جاری فرما دیتے ہیں۔ اس حکم سے سوسوئٹی میں سراسیمگی پھیل جاتی ہے کہ ایک بڑے خاندان کی عورت اسلامی قانون سے بالاتر نہیں، کچھ لوگوں نے چاہا کہ اس عورت کی سزا معاف کر دی جائے، لوگوں کے کہنے پر حضرت اسامہ بن زید جو حضور سے کافی قربت رکھتے تھے بارگاہ رسول میں حاضر ہوئے اور اس عورت کے حق میں سفارش کی، آپ ﷺ نے ان کی سفارش کو سنتے ہی ارشاد فرمایا: اتشفع فی حدوداللہ یا اسامہ! لو کا نت فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت ید ھا (اے اسامہ! تم اللہ کی حدود میں رعایت کی بات کرتے ہو؟ اگر محمد کی بیٹی فاطمہ نے چوری کی ہوتی جب بھی میں ضرور اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا) (۲۹)

☆ ایک دفعہ ایک یہودی اور مسلمان میں کسی بات کو لے کر جھگڑا ہو گیا، جب بات صلح تک نہ ہو پائی تو یہ مقدمہ آپ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے دونوں کی باتیں سنیں اور اس معاملے میں فیصلہ یہودی کے حق میں تھا تو آپ نے مذہب کا لحاظ نہیں کیا اور یہودی کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔ (۳۰)

☆ عالمی منشور کے آرٹیکل نمبر ۱۳ میں جنگی محاذ آرائی کے متعلق ہے "دو ملکوں کے درمیان جنگ چھڑ جانے کی صورت میں فریقین کو کسی کی آبادی، شہر، تاریخی و ثقافتی محلات اور کھانے پینے کی اشیا بالخصوص باغیچوں پر بمباری کر کے یا کسی بھی صورت میں تباہ رنے کی اجازت نہیں ہوگی" (۳۱)

یہ منشور صرف کاغذی سطح پر ہی موجود ہیں، اسے آج تک لاگو نہیں کیا گیا، بلکہ اس قانون کی اب تک دھجیاں بکھیری جا رہی ہیں۔ مثلاً عراق، افغانستان اور لیبیا کی جنگوں کو ہی دیکھ لیجیے جن میں لاکھوں لاکھ مسلمان مارے گئے، جس میں مذکورہ قانون کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا۔

وہیں دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ دیکھ لیجیے کہ

جب آپ ﷺ کسی مہم پر صحابہ کرام کو روانہ فرماتے تو سالار قافلہ کو ہمیشہ اس بات کی تاکید فرماتے کہ کسی بوڑھے، کسی بچے یا کسی عورت کو ہر گز قتل نہ کیا جائے، ان آبادیوں کو تہ تیغ نہ کیا جائے، ان کے کھیتوں و کھلیانوں کو نہ جلایا جائے، جہاں تک ہو سکے جنگ سے بچا جائے۔ (۳۲)

آج مصطفی جانِ رحمت ﷺ کا پوری انسانیت پر احسان عظیم ہے کہ انھوں نے مذہبی رواداری کی ایسی بنیاد فراہم کر دی کہ جس پر فیصلہ کرنا آسان ہو گیا ہے کہ کن حالات میں کس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہیے، آج اس اساس کو تسلیم کرنا دنیا کی مجبوری بنتی جا رہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی مذہبی رواداری اور اسوۂ کریم کا اثر غیر مسلموں پر :

آپ ﷺ نے پر فتن دور میں بھی جو مذہبی رواداری کے بیج بوئے اور اس پر عمل پیرا ہو کر دکھایا، اس کو دنیا کا انصاف پسند طبقہ کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے تو اپنے غیروں نے بھی آپ ﷺ کی مذہبی رواداری کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے تاثرات کا اظہار بھی کیا ہے۔ اگر تمام تاثرات کو جمع کیا جائے تو ایک دفتر قائم ہو سکتا ہے لیکن تنگی صفحات کے پیش نظر ان میں سے کچھ کے تاثرات پیش کر رہا ہوں:

☆تحریک آزادی کے لیڈر گاندھی جی نے تحریر کیا ہے:

”نسل انسانی کے کروڑوں دلوں کو متفقہ طور پر اپنی مٹھی میں کرنے والی شخصیت کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتا تھا۔ میں آخری طور پر مطمئن ہوں کہ اُس دور کے حالات میں اسلام کے لیے جگہ بنانے والی چیز تلوار نہیں تھی، وہ چیز انتہائی سادگی، نبی (ﷺ) کا اپنے نفس کو مکمل فنا کر دینا، اپنے وعدوں کا مکمل لحاظ، اپنے دوستوں اور متبعین سے گہرا لگاؤ، ان کی دلیری، ان کی بے خوفی، خدا پر اور اپنے مشن میں کامل اعتماد تھا جو تلوار نہیں بلکہ ان چیزوں نے سارے کام انجام دیے۔“ (۳۳)

☆عہد حاضر کا مؤرخ مائیکل ایچ ہارٹ نے اپنی کتاب میں دنیا کی سو عظیم شخصیات میں پیغمبر اسلام ﷺ کو سب سے پہلے رکھا ہے اور اس کی وجہ بھی بیان کی ہے:

”قارئین میں سے ممکن ہے کچھ لوگوں کو تعجب ہو کہ میں نے دنیا جہان کی مؤثر ترین شخصیات میں محمد (ﷺ) کو سر فہرست کیوں رکھا اور مجھ سے توجیہ طلب کریں گے۔ حالانکہ کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں صرف وہی ایک ایسے انسان تھے جو دینی اور دنیوی دونوں اعتبار سے غیر معمولی طور پر کامیاب، اور سرفراز ٹھہرے۔“ (۳۴)

☆آرنلڈ ٹوائن بی A.J.Toynbee نے پیغمبر اسلام کے بارے میں اپنے مضمون میں لکھا ہے:

”محمد نے اسلام کے ذریعے انسانوں میں رنگ و نسل اور طبقاتی امتیاز کا یکسر خاتمہ کر دیا، کسی مذہب نے اس سے بڑی کامیابی حاصل نہیں کی جو محمد کے مذہب کو حاصل ہوئی۔ آج دنیا جس ضرورت کے لیے رو رہی ہے اسے صرف اور صرف مساوات محمدی کے ذریعے اور اس نظریے کے تحت ہی پورا کیا جا سکتا ہے۔“ (۳۵)

☆ جان بیگٹ (John Bagot) نے اپنی ایک کتاب میں آپ ﷺ کی مذہبی رواداری سے متاثر ہو کر اپنی عقیدت کا اظہار کچھ اس طرح کیا ہے:

”کیا دنیا میں کوئی اور بھی ایسی مثال مل سکتی ہے جس میں مقصد کے حصول کے لیے اٹھنے والے کی اتنی زیادہ مخالفت کی گئی ہو؟ اس کے باوجود صبر کا دامن آپ کے ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ یہ بات مغربی مصنفین کے لیے ایک تازیانہ ہے جو کہتے ہیں کہ محمد ایک غیر محتاط قسمت آزما تھے۔“ (۳۶)

☆ ای ڈرمنگھم (E.Dermenghem) نے رسول اکرم ﷺ کی مذہبی رواداری سے کافی زیادہ متاثر تھے، اسی وجہ سے آپ ﷺ کی سیرت پر ایک ضخیم کتاب تصنیف کر دی، جس کے صفحہ نمبر ۹۳۰ پر اپنی عقیدت کا اظہار بڑے اچھے انداز میں کیا ہے:

”عرب بنیادی طور پر انارکسٹ (بے راہ ولا قانونیت پسند) اور انتشار پسند تھے، پیغمبر نے یہ زبردست معجزہ دکھایا کہ انہیں باہم متفق کر دیا جو کچھ محمد نے دکھایا اسے سامنے رکھیں تو ہم ان کی عظیم ترین شخصیت کو خراج عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہیں۔ محمد اس اعتبار سے دنیا کے وہ واحد پیغمبر ہیں جن کی زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ہے، ان کی زندگی میں کوئی گوشہ چھپا ہوا نہیں ہے بلکہ روشن اور منور ہے۔ عقل سلیم سے عاری انسان ہی محمد پر کسی ذہنی بیماری کا الزام عائد کرتے ہیں۔“ (۳۷)

غرض یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی مذہبی رواداری اور تعلیمات ملکی اتحاد و سالمیت کے لیے تیر بہدف اور مفید نسخہ ہے۔ اگر ہمارے اکابرین مملکت اور لیڈران ان بنیادوں پر ریاست کو پروان چڑھائیں تو ہر قسم کے انتشار و افتراق سے بچ سکتے ہیں۔ ملک اور باشندگان ملک دونوں پر امن زندگی گزار سکتے ہیں اور ہر طرف پھیلی ہوئی بدامنی اور دہشت گردی کا خاتمہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو رسول اللہ ﷺ کی مذہبی رواداری کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حوالہ جات

(۱)-ابن ہشام:ج:۱۔ص:۲۷۸،۲۷۹۔۲۷۸، سیرۃالنبی:ج:۱۔ص:۲۷۵
(۲)- سیرۃالنبی:ج:۱۔ص:۵۸۲ (۳)-سیرۃالنبی:ج:۲۔ص:۳۷۰
(۴)-سیرۃالنبی:ج:۲۔ص:۳۲۰ (۵)- سیرۃالنی:ج:۲۔ص:۳۷۹
(۶)- صحیح بخاری: کتاب الجهاد باب الجزیه والموادعة مع اهل الذمة و الحرب:ج:۱.ص؛٤٤٦
(۷)-الطبقات الکبری لابن سعد .ج:۱.ص:۲۲۸،ا۔ے شارٹ هسٹری آف دی سارانس از:میرعلی:ص:١٤. ١٥
(۸)-سیرۃالنبی:ص:۲۔ج:۴۲،۱۴ (۹)-سیرۃالنبی:ج:۲۔ص:۳۷۱
(۱۰)-البدایہ والنھایہ:ج:۷۔س:۱۷۶
(۱۱)-سنن ابو داؤد : کتاب الجهاد ، با ب فی الامام یستجن به فی العهود ، حدیث: ٢٧٦٠
(۱۲)- زادالمعادلابن القیم:ج:۳۔ص:۴۲۲
(۱۳)- صحیح مسلم شریف : کتاب الجهادو السیر ،با ب تا میرامام الامراء علی البعوث ووصیته ایاهم ۔ج:۲۔ص:۸۲ / صحیح بخاری : کتاب الجهاد ،باب قتل الصبیان فی الحرب : ج:۱۔ص:۴۳۲
(۱۴)-ابوداؤد۔ج:۲۔ص:۶ (۱۵)-تاریخ دمشق:ج:۸،ص:۳۷۷
(۱۶)-سبل الھدی والرشاد:ج:۴۔ص:۶۶ / طبری: ص ۱۳۳۸/ سیرۃالنبی: ج:۱۔ص:۳۰۵
(۱۷)- تہذیب سیرۃ بن ہشام، ایڈیشن بیروت ۱۳۷۴ھ۔ص:۱۶۹،۱۷۰
(۱۸)- ابو داؤد باب کتاب الجهاد فی الاسیر یکره علی الاسلام / سیرۃالنبی:ج:۱۔ص:۳۷۹
(۱۹)- سبل الھدی والرشاد:ج:۷۔ص:۳۳،۳۴
(۲۰)- فتوح البلدان بلاذری:ص:۲۷/ طبری:ج:۳۔ص:۸۹/ سیرۃالنبی : ج:۱۔ص:۴۸۹ (۲۱)- مغازی الواقدی:ج:۲۔ص:۶۸۱
(۲۲)- صحیح البخاری :ج:۲۔ باب غزوۃ الحدیبیۃ ۔ص: ۶۲۲ / تاریخ طبری: ج:۱۔ص:۳۵۵،۳۵۶/ سیرۃالنبی :ج:۱۔ص:۶۱۰/ تاریخ اسلام از شاہ معین الدین احمد ندوی:ج:۱۔ص:۴۹،۵۰
(۲۳)- صحیح البخاری: باب این رکزالنبی ﷺ الرایۃ یوم الفتح:ج:۲۔ص:۲۷
(۲۴)-Reader's Digest Library of Modern Knoedge.P:660
(۲۵) Human Rights in the European Union: The Charter of Fundamental Rights, House of Commons Library , Research Paper 32, 20 March 2000
(۲۶)- سورۃ بقرہ:۲۵۶ (۲۷)-سورۃ کہف :۲۹
(۲۸) The European Convention for the Protection of Human Rights: 1950
(۲۹)- صحیح البخاری: باب اقامۃ الحدود علی الشریف والوضیع، ج:۲۔ص:۱۰۰۳
(۳۱) The American Declaration of Rights& Duties of Man:1948
(۳۲)- سیرۃالنبی:ج:۱۔ص:۶۰۸
(۳۳)-Young Inidia_P:7 1923
(۳۴)-The Hundred,P:5, (۳۵) Civilization on Trial
(۳۶) The Life and Time of Muhammad_P:25
(۳۷)- Life of, Muhammad P:930

(۱)-ابن ہشام:ج:۱۔ص:۲۷۸،۲۷۹۔۲۷۸، سیرۃالنبی:ج:۱۔ص:۲۷۵
(۲)- سیرۃالنبی:ج:۱۔ص:۵۸۲ (۳)-سیرۃالنبی:ج:۲۔ص:۳۷۰
(۴)-سیرۃالنبی:ج:۲۔ص:۳۲۰ (۵)- سیرۃالنی:ج:۲۔ص:۳۷۹
(۶)- صحیح بخاری: کتاب الجهاد باب الجزیه والموادعة مع اهل الذمة و الحرب:ج:۱.ص؛٤٤٦
(۷)-الطبقات الکبری لابن سعد .ج:۱.ص:۲۲۸،ا۔ے شارٹ هسٹری آف دی سارانس از:میرعلی:ص:١٤. ١٥
(۸)-سیرۃالنبی:ص:۲۔ج:۴۲،۱۴ (۹)-سیرۃالنبی:ج:۲۔ص:۳۷۱
(۱۰)-البدایہ والنھایہ:ج:۷۔س:۱۷۶
(۱۱)-سنن ابو داؤد : کتاب الجهاد ، با ب فی الامام یستجن به فی العهود ، حدیث: ٢٧٦٠
(۱۲)- زادالمعادلابن القیم:ج:۳۔ص:۴۲۲
(۱۳)- صحیح مسلم شریف : کتاب الجهادو السیر ،با ب تا میرامام الامراء علی البعوث ووصیته ایاهم ۔ج:۲۔ص:۸۲ / صحیح بخاری : کتاب الجهاد ،باب قتل الصبیان فی الحرب : ج:۱۔ص:۴۳۲
(۱۴)-ابوداؤد۔ج:۲۔ص:۶ (۱۵)-تاریخ دمشق:ج:۸،ص:۳۷۷
(۱۶)-سبل الھدی والرشاد:ج:۴۔ص:۶۶ / طبری: ص ۱۳۳۸/ سیرۃالنبی: ج:۱۔ص:۳۰۵
(۱۷)- تہذیب سیرۃ بن ہشام، ایڈیشن بیروت ۱۳۷۴ھ۔ص:۱۶۹،۱۷۰
(۱۸)- ابو داؤد باب کتاب الجهاد فی الاسیر یکره علی الاسلام / سیرۃالنبی:ج:۱۔ص:۳۷۹
(۱۹)- سبل الھدی والرشاد:ج:۷۔ص:۳۳،۳۴

امبیڈکر نگر میں ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں
(۱)-جناب حافظ و قاری ظہیر احمد صاحب
امام سنی محمدی مسجد، مدرس دار العلوم ندائے حق، جلال پور، امبیڈکر نگر
موبائل:9598036964
(۲)جناب محمد کلیم بک سیلر
پٹرول ٹنکی کے سامنے، حیات گنج، ٹانڈہ، امبیڈکر نگر
8576940543

اسلام میں عورتوں کے حقوق و مسائل

محمد ابرار مصباحی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نے عورت کی تمام ضروریات کا کفیل مرد کو بنایا ہے اور عورت کو اس ذمہ داری سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ مزید یہ کہ عورت کے لیے روزگار اور معاشی مواقع سے فائدہ اٹھانے پر کوئی پابندی بھی نہیں لگائی گئی جبکہ وہ حدود شرع کا پاس ولحاظ رکھے، عورت پیسہ کما سکتی ہے لیکن اس صورت میں بھی کفالت کی ذمہ داری اس کے شوہر پر ہی ہوگی اور وہ اپنی کمائی خصوصی حق کے طور پر محفوظ رکھ سکتی ہے۔ اگر وہ گھریلو ضروریات کے لیے خرچ کرنا چاہے تو اس کا یہ عمل احسان ہوگا، کیونکہ یہ اس کے فرائض میں شامل نہیں ہے۔

تاریخ انسانی کا اگر جائزہ لیا جاے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ جو عورت عالم گیتی پر جانوروں بلکہ جانوروں سے بھی زیادہ بے وقعت و مظلوم تھی اسلام نے اسے ذلت وپستی کے تحت الثریٰ سے اٹھا کر عظمت و بلندی کے بام ثریا پر رونق افروز کر دیا، اور اسے ایسے ایسے حقوق عطا کیے جن کا تصور بھی بعثت نبوی سے قبل معدوم تھا۔ اگر عقل و خرد کو تعصب سے صاف کر کے دل و دماغ سے اسلامی تعلیمات کا منصفانہ جائزہ لیا جاے تو یہ بات آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ عورت چونکہ تمدن انسانی کا محور و مرکز ہے، گلشن ارضی کی زینت ہے، اس لیے اسلام نے با وقار طریقے سے اسے ان تمام معاشرتی حقوق سے نوازہ جن کی وہ مستحق تھی۔ چنانچہ اسلام نے عورت کو گھر کی ملکہ قرار دیا، دیگر اقوام کے برعکس اسے ذاتی جائداد و مال رکھنے کا حق عطا کیا، اور اسے بیوی، بیٹی، بہن اور ماں کی شکل میں وراثت کا حصہ دار بنایا، اس کے تمام جائز قانونی حقوق کی نشان دہی کر کے اسے معاشرے کی قابل احترام ہستی قرار دیا۔ اسلامی تعلیمات میں بچی کی ولادت باعث رحمت ہے، اس کی تربیت کا ایک خاص نظام اور نصاب ہے جو آنے والے وقت میں عفت و عصمت کے ساتھ نکاح جیسی تقریب کے حوالے سے اس پر ایک دوسرے خاندان کی تشکیل کی ذمہ داری عائد کرتا ہے۔ ماں کی حیثیت سے وہ ایک صحت مند اور حیادار نسل کو اسلامی معاشرے کے سپرد کرتی ہے۔

اسلام نے عورت کو ایسا مقام و مرتبہ دیا ہے اور اس کے لیے حقوق و رعایات کا ایسا سامان فراہم کیا ہے جس کی مثال تاریخ کے اوراق بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ بالخصوص وراثت کے احکام میں تو مردوں کے حصے کا تعین کرنے کے لیے عورت کے حصے کو بنیاد بنایا گیا۔ مرد کو اس کی کفالت کا ذمہ دار بنا کر کسب معاش کی مشقت سے اسے محفوظ رکھا۔ اگر وہ بیٹی ہے تو والدین اس کی نگہداشت کریں گے، اگر بیوی ہے تو اس کی کفالت شوہر کے ذمہ ہوگی، اگر ماں ہے تو اولاد اس کے لیے سامان راحت فراہم کرے گی اور اگر بہن ہے تو بھائی اس کے معاون و مددگار ہوں گے۔ یوں عورت زندگی کے کسی گوشے میں اور عمر کے کسی حصے میں معاشی یا معاشرتی پریشانی کا شکار نہیں ہوتی۔ اگر حقیقی اسلام کو سمجھا جائے اور شریعت کے ضوابط کو پیش نظر رکھا جاے تو معاشرتی زندگی میں اسلام نے جو حقوق عورت کو عطا کیے ہیں اور اسے جو تحفظ فراہم کیا ہے وہ کسی دوسری تہذیب میں ممکن نہیں۔ مرد کے حق طلاق کے ساتھ عورت کو خلع کا حق عطا کرنا عدل کی بہترین صورت ہے۔ شادی کے موقع پر عورت کے مہر کی ادائیگی حسن سلوک کا بہترین عمل ہے۔ شادی پر ولیمے کی تقریب کا انعقاد اس کے استقبال کا بہترین ذریعہ ہے۔ پھر قرآن مجید نے میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دے کر ان کی ازدواجی زندگی کا تعین کر دیا ہے۔

{هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ} (البقرۃ، ۱۸۷)

ترجمہ: وہ تمھاری لباس ہیں اور تم ان کے لباس۔ (کنزالایمان)

عورت قبل بعثت: بعثت نبوی سے قبل عورت سماجی عزت و احترام سے بالکل محروم تھی۔ اسے تمام برائیوں کا سبب اور قابل نفرت تصور کیا جاتا تھا۔ بیٹی کی ولادت کو باعث ننگ و عار سمجھا جاتا تھا۔ عورتوں کے تعلق سے اہل عرب کے اس بدترین رویے کو بیان کرتے ہوے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

{وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ} (النحل، ۵۸)

ترجمہ: اور جب ان میں کسی کو بیٹی ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو دن بھر اس کا منہ کالا رہتا ہے اور وہ غصہ کھاتا ہے۔ (کنزالایمان)

بچیاں پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کردی جاتی تھیں، ان کی کفالت و پرورش باعث عار سمجھی جاتی تھی۔ حالانکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ طبقۂ نسواں کے بغیر بنی نوع انسان کی بقا ہی نہیں ہے۔ مگر انھیں اس بات کی بالکل پرواہ نہیں تھی۔ اس جرم عظیم کا ارتکاب کرتے وقت نہ تو انھیں شرم دامن گیر ہوتی اور نہ انھیں ترس آتا۔ بلکہ یہ کام وہ فخریہ انداز میں کیا کرتے تھے۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی رسم قبیح کا تذکرہ قرآن کریم میں اس طرح ہے:

{وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ}(التکویر، ۸)

ترجمہ: اور جب زندہ دبائی ہوئی سے پوچھا جائے کہ کس خطا پر ماری گئی۔ (کنزالایمان)

قرآن کریم کی ان آیات سے واضح ہے کہ بعثت نبوی سے قبل عورت کا وجود ناپسندیدہ تھا۔ ہر قسم کی بڑائی اور فضیلت صرف مردوں کے لیے سمجھی جاتی تھی عورتوں کا اس میں کوئی حصہ نہ تھا حتی کہ عام معاملات زندگی میں بھی اچھی چیزیں مرد خود استعمال کرتے اور معمولی چیزیں عورتوں کو دیتے۔ اہل عرب کے اس طرز عمل کو قرآن کریم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

{وَقَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ یَّكُنْ مَّیْتَةً فَهُمْ فِیْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَیَجْزِیْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ}(الانعام، ۱۳۹)

ترجمہ: اور بولے جو ان مویشی کے پیٹ میں ہے وہ نرا ہمارے مردوں کا ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر مرا ہوا نکلے تو وہ سب اس میں شریک ہیں قریب ہے کہ اللہ انھیں ان کی باتوں کا بدلہ دے گا بے شک وہ علم حکمت والا ہے۔ (کنزالایمان)

قبل بعثت عورت کی حق ملکیت سے محرومی: زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو کسی چیز کے مالک بننے کا حق حصل نہیں تھا، نا انہیں وراثت ملتی تھی، صرف مردوں کو وارث بننے کا حق حاصل تھا۔ اس پر ان کی دلیل یہ تھی کہ وہ ہتھیار اٹھاتے ہیں اور قبیلوں کا دفاع کرتے ہیں۔ اس معاشرے میں عورت کو محض میراث سے محروم کرنے پر اکتفا نہ کیا گیا بلکہ وہ عورت کو بھی وراثت میں سامان کی طرح بانٹ دیا کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب آدمی مر جاتا تو اس کے ورثا اس کی بیوی کے حق دار ہوتے، اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو اس سے شادی کر لیتا یا جس سے چاہتے اس سے اس کی شادی کرا دیتے اور اگر نہیں چاہتے تو نا کراتے اس طرح عورت کے سسرالی اس کے میکے والوں سے زیادہ اس پر حق رکھتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب لا یحل لکم)

{یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا}(النساء، ۱۹)

ترجمہ: اے ایمان والو تمہیں حلال نہیں کہ عورتوں کے وارث بن جاؤ زبردستی اور عورتوں کو روکو نہیں اس نیت سے کہ جو مہر ان کو دیا تھا اس میں سے کچھ لے لو مگر اس صورت میں کہ صریح بے حیائی کا کام کریں اور ان سے اچھا برتاؤ کرو پھر اگر وہ تمہیں پسند نہ آئیں تو قریب ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناپسند ہو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھے۔ (کنزالایمان)

یہودیوں کے یہاں بیوہ عورت کا مالک اس کے دیور کو قرار دیا جاتا تھا، وہ جس طرح چاہتا اس کے ساتھ معاملہ کرتا۔ عورت کسی معاملہ میں مداخلت کا حق نہ رکھتی تھی۔ عیسوی مذہب میں اگرچہ یہ قانون نہ تھا، لیکن اس کے علاوہ بیوہ کے تحفظ کے لیے بھی کوئی قانون موجود نہ تھا۔

ہندوستان کی تاریخ بھی عورتوں کے تعلق سے ظلم وستم سے بھری ہوئی ہے۔ وہ ہندوستان جہاں زمانہ قدیم سے ایک طرف تو عورت کی پوجا ہوتی چلی آرہی ہے تو دوسری طرف یہ کڑوی حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ یہاں ستی جیسی قبیح رسم رائج تھی۔ شوہر کی موت کے بعد عورت کو اس کی چتا کے ساتھ زندہ جلا دیا جاتا تھا، یا اگر کسی طرح بچ بھی جاتی تو ساری زندگی سوگ میں بسر کرتی، نہ خوشی کی محفل میں اس کو شریک ہونے کی اجازت تھی اور نہ ہی کسی تہوار وغیرہ پر خوشی منانے کا حق رکھتی تھی۔ حتی کہ اسے دوسری شادی کرنے کی بھی اجازت نہ تھی، جس کے نتیجہ میں وہ گھٹ گھٹ کر اپنی زندگی کے باقی ماندہ ایام بسر کرنے پر مجبور تھی۔

ان احوال کو سامنے رکھ کر اگر اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ آج سے چودہ صدی پیشتر اسلام نے جو مقام و مرتبہ عورتوں کو دیا اس کا عشر عشیر بھی دنیا کے کسی حصہ میں انہیں میسر نہ تھا۔

اسلام میں عورت کی حیثیت: اسلام کی آمد عورت کے لیے غلامی، ذلت اور ظلم و استحصال کے بندھنوں سے آزادی کا پیغام تھی۔ اسلام نے ان تمام قبیح رسوم کا قلع قمع کردیا جو عورت کے انسانی وقار کے منافی تھیں، اور اسے ایسے ایسے حقوق عطا کیے جن کی بنا پر وہ

معاشرے میں اس عزت وتکریم کی مستحق قرار پائی جس کے مستحق مرد ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے تخلیق کے معاملہ میں عورت کو مرد کے ساتھ ایک ہی درجہ میں رکھا، اس طرح انسانیت کی تکوین میں عورت مرد کے ساتھ ایک ہی مرتبہ میں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

{یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً} (النساء،۱)

ترجمہ: اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیے اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو بے شک اللہ ہر وقت تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (کنزالایمان)

اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک استحقاق اجر کے معاملہ میں دونوں برابر ہیں۔ مرد و عورت میں سے جو بھی کوئی عمل کرے اسے پورا اور برابر اجر ملے گا۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

{فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ} (آل عمران،۱۹۵)

ترجمہ: تو ان کی دعا سن لی ان کے رب نے کہ میں تم میں کام والے کی محنت اکارت نہیں کرتا مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک ہو۔ (کنزالایمان)

اسلام نے بچیوں کو زندہ درگور کرنے سے نجات بخشی۔ یہ وہ رسم قبیح تھی جو احترام انسانیت کے منافی تو تھی ہی مزید یہ کہ یہ انسانی وجود کے خاتمہ کا سبب تھی۔ اسلام نے بچیوں کی پرورش کو کار ثواب قرار دے کر طبقۂ نسواں کا تحفظ فرمایا اور نسل انسانی کو بقا بخشی۔

عورتوں کو عطا کردہ اسلامی حقوق:

تعلیم وتربیت کا حق: اسلامی تعلیمات کا آغاز "اِقْرَاْ" سے کیا گیا اور تعلیم نافع کو شرف انسانیت اور معرفت خداوندی کی اساس قرار دیا گیا۔ رسول اکرم ﷺ نے خواتین کی تعلیم و تربیت کو اتنی ہی اہمیت و فضیلت دی ہے جتنی مردوں کو دی ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے تعلیم نسواں کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وہ شخص جس کے پاس باندی ہو پھر وہ اسے نفع بخش تعلیم دے اور اچھے آداب سکھائے پھر آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے تو اس شخص کے لیے دو اجر ہیں۔ (صحیح البخاری: كتاب الجهاد، باب فضل من أسلم من أهل الكتابيين)

یعنی ایک اجر تو اچھی تعلیم و تربیت دینے کا، دوسرا اجر اس بات کا کہ اسے آزاد کر کے نکاح کر لیا اس طرح اسے غلامی کی ذلت سے نجات بخشی۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام اگر باندیوں تک کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کو کار ثواب قرار دیتا ہے تو وہ آزاد لڑکوں لڑکیوں کے تعلیم سے محروم رکھے جانے کو کیوں کر گوارا کر سکتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے علم کی عظمت وفضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

علم وحکمت کی بات مومن کا گمشدہ مال ہے پس وہ اسے جہاں پائے اسے حاصل کرنے کا زیادہ حق دار ہے۔ (سنن الترمذی: كتاب العلم، باب ما جاء فی فضل الفقه)

عصمت وعفت کا حق: عورت کا سب سے قیمتی سرمایہ اس کی عفت و پاک دامنی ہے۔ معاشرے میں اس کی عزت و تکریم کو یقینی بنانے کے لیے اس کے حق عصمت کا تحفظ ضروری ہے۔ اسلام نے عورت کو حق عصمت عطا کیا، اور مردوں کو اس کے حق عصمت کی حفاظت کا حکم دیتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا:

{قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰی لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ} (النور۳۰)

ترجمہ: مسلمان مردوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے بہت ستھرا ہے بے شک اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے۔ (کنزالایمان)

اس کے بعد عورتوں کو حکم ہوتا ہے: {وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْۤا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ} (سورۃ النور، الآیۃ، ۳۱)

ترجمہ: اور مسلمان عورتوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ نہ دکھائیں مگر جتنا خود ہی ظاہر ہے اور وہ دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنا سنگار ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ یا شوہروں کے باپ یا اپنے بیٹے یا شوہروں کے بیٹے یا اپنے بھائی یا بھتیجے یا اپنے بھانجے یا اپنے دین کی عورتوں یا اپنی کنیزیں جو اپنے ہاتھ کی ملک ہوں یا نوکر بشرطیکہ شہوت والے مرد نہ ہوں یا وہ بچے جنھیں عورتوں کی شرم کی چیزوں کی خبر نہیں اور زمین پر پاؤں زور سے نہ

رکھیں کہ جانا جائے ان کا چھپا ہوا سنگار اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانو سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔(کنزالایمان)

تحفظ عصمت ہی کی وجہ سے عورت کو تنہا سفر کرنے سے منع کیا گیا ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو عورت اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے یہ حلال نہیں کہ تین دن کا سفر بغیر محرم کے کرے۔ (صحیح مسلم: کتاب الحج، باب سفر المرأۃ مع محرم الی حج وغیرہ)

سفر شرعی یعنی تین دن سے کم جو کہ تقریباً ساڑھے بانوے کلومیٹر ہے عورت تنہا کر سکتی ہے جب کہ اس کی عزت وآبرو کو کوئی خطرہ نہ ہو۔ لیکن اس سے زیادہ مسافت کا سفر عزت وآبرو کے خطرہ کے قائم مقام ہے لہٰذا اب بغیر محرم کے سفر جائز نہیں۔ اور یہ اس کی شخصی آزادی کے منافی نہیں ہے بلکہ اس کی عزت وآبرو کی حفاظت کا ضامن ہے۔

نکاح کا حق: اسلام سے قبل عورتوں کو مَردوں کی ملکیت تصور کیا جاتا تھا اور انہیں نکاح کا حق حاصل نہیں تھا۔ اسلام نے عورت کو نکاح کا حق دیا، خواہ یتیم ہو، باندی ہو یا مطلقہ، شریعت کے مقرر کردہ اصول وضوابط کی پابندی کے ساتھ انہیں نکاح کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

{وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ} (البقرۃ: الآیۃ، ۲۳۲)

ترجمہ: اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی میعاد پوری ہو جائے تو اے عورتوں کے والیو انہیں نہ روکو اس سے کہ اپنے شوہروں سے نکاح کرلیں جب کہ آپس میں موافق شرع رضامند ہو جائیں۔ (کنزالایمان)

حق زوجیت: مرد پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ حتی الوسع حق زوجیت ادا کرنے سے دریغ نہ کرے۔ عبادات میں زیادہ شغف بھی بیوی سے بے توجہی کا سبب ہو سکتا ہے۔ اگر خاوند دن بھر روزہ رکھے اور راتوں میں نماز پڑھتا رہے تو ظاہر کہ وہ حق زوجیت ادا کرنے سے قاصر رہے گا۔ رسول اکرم ﷺ نے اسی لیے صوم وصال یعنی روزہ پر روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے، اور زیادہ سے زیادہ صوم داؤدی کی اجازت دی ہے کہ ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن نہ رکھو۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:

رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: تم ہمیشہ روزہ رکھتے ہو اور ہمیشہ قیام کرتے ہو، میں نے عرض کیا: جی، فرمایا: اگر ایسا کرتے رہو گے تو تمھاری آنکھوں میں گڑھے پڑ جائیں گے اور تمھارا جسم بے جان ہو جائے گا، نیز ہر مہینہ میں تین روزے رکھنا گویا ہمیشہ روزہ رکھنا ہے۔ میں نے عرض کیا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا: داؤد علیہ السلام والے روزے رکھ لیا کرو جو ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن نہیں رکھتے۔ (صحیح البخاری: کتاب الصوم، باب صوم داؤد)

خلع کا حق: شریعت مطہرہ نے طلاق کا حق صرف شوہر کو دیا ہے، کیونکہ شوہر ہی خاص طور سے رشتہ زوجیت قائم رکھنے کا خواہاں ہوتا ہے، وہ مہر اور نان ونفقہ کی صورت میں بیوی پر کافی مال خرچ کر چکا ہوتا ہے، اس لیے وہ طلاق نہ دینے کو پسند کرتا ہے، جب کہ بیوی پر شوہر کا کوئی مالی حق واجب نہیں ہوتا، اس لیے اس کو طلاق کا حق نہیں دیا۔ تاہم اسلام نے اس دوسرے پہلو کو بھی ملحوظ نظر رکھا ہے کہ کسی وقت عورت کو بھی شوہر سے جدا ہونے کی ضرورت پیش آسکتی ہے، مثلاً شوہر حق زوجیت ادا کرنے سے قاصر ہو، یا نان ونفقہ ادا نہ کرتا ہو، یا بلاوجہ اس پر ظلم وستم کرتا ہو، یا عورت اپنے خاوند کو ناپسند کرتی ہو، یا ان جیسی دیگر تمام صورتوں میں عورت خاوند کو یہ پیش کش کرکے کہ تم نے مجھے جو مہر یا ہدیہ وغیرہ دیا ہے وہ میں تمھیں واپس کرتی ہوں اس کے عوض تم مجھے طلاق دے دو۔ اگر شوہر اس پر رضامند ہو کر طلاق دے دے تو ٹھیک ہے، بصورت دیگر وہ عورت قاضی سے رجوع کر کے خاوند سے چھٹکارا حاصل کر سکتی ہے۔ عورت کے اس حق کو "خلع" کہتے ہیں۔ قرآن کی درج ذیل آیت سے اس کا ثبوت فراہم ہوتا ہے:

{وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ} (سورۃ البقرۃ، الآیۃ، ۲۲۹)

ترجمہ: اور تمھیں روا نہیں کہ جو کچھ عورتوں کو دیا اس میں سے کچھ واپس لو مگر جب دونوں کو اندیشہ ہو کہ اللہ کی حدیں قائم نہ کریں گے پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں ٹھیک انہیں حدوں پر نہ رہیں گے تو ان پر کچھ گناہ نہیں اس میں جو بدلہ دے کر عورت چھٹی لے۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ طلاق کی صورت میں تو مہر میں سے کچھ بھی لینا جائز نہیں البتہ خلع میں (عورت کی طرف سے مطالبۂ طلاق پر طلاق دینے کی صورت میں خاوند کے لیے) مہر کا واپس لینا جائز ہے۔ اس میں لینے والے پر کوئی گناہ ہے نہ دینے والے پر، کیوں کہ عورت اپنی خوشی سے دے رہی ہے اور شوہر اپنا وہ مال وصول کر رہا ہے جو اس نے اس عورت پر اس نقطۂ نظر سے خرچ کیا

تھا کہ وہ اس کے گھر میں آباد رہے گی۔ لیکن اب وہ رہنے کے لیے تیار نہیں تو شوہر کا یہ وہ حق ہے جسے وہ واپس لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کے طرز عمل اور فیصلے سے بھی خلع کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ:

(حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے) کہ زید بن ثابت کی اہلیہ رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض گزار ہوئیں: یارسول اللہ ﷺ میں کسی بات پر ثابت بن قیس سے ناخوش نہیں ہوں، نہ ان کے اخلاق سے اور نہ ان کے دین سے، لیکن میں اسلام میں ناشکری کرنا نہیں چاہتی (ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی) تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم ان کا باغ واپس کردوگی؟ (جو انہوں نے تمہیں مہر میں دیا تھا) انہوں نے کہا ہاں رسول اکرم ﷺ نے (ثابت بن قیس سے) فرمایا: باغ لے لو اور انہیں طلاق دے دو۔ (صحیح البخاری: کتاب الطلاق، باب الخلع)

نوٹ: خلع کی مختلف صورتیں ہیں جن کی تفصیلات کتب فقہیہ میں موجود ہیں۔

حق وراثت: اسلام نے عورتوں کو مردوں کی طرح وراثت کا حق بھی دیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

{لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا} (النساء،۷)

ترجمہ: مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے، اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے ترکہ تھوڑا ہو یا بہت حصہ ہے اندازہ باندھا ہوا۔ (کنزالایمان)

لیکن اسلام کے قانون وراثت کا سطحی اور سرسری مطالعہ کرنے والوں کو یہ مغالطہ لگتا ہے کہ عورت کا حصہ محض عورت ہونے کی وجہ سے مرد سے کمتر ہے۔ یہ مغالطہ قرآن کی درج ذیل آیت مبارکہ کی حکمت صحیح طور پر نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے:

{يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ} (النساء،۱۰)

ترجمہ: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمھاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں برابر۔ (کنزالایمان)

تاہم اسلام کے قانون وراثت کا بنظر غائر جائزہ اس مغالطہ کی نفی کرتا ہے۔ اسلام کا قانون وراثت عورت کے حق کی تنصیف یا تخفیف نہیں بلکہ حسن معاشرت و معیشت پر مبنی ہے۔ اسلام کا قانون وراثت عورت کے تقدس وعظمت کی پاسبانی کرنے والی درج ذیل حکمتوں پر مبنی ہے:

عورت کا حصہ تقسیم وراثت کی اکائی ہے: مذکورہ بالا آیت مبارکہ پر غور تقسیم میراث کے بنیادی پیمانے کو واضح کرتا ہے۔ یہاں مرد و عورت کا حصۂ وراثت بیان کرتے ہوئے عورت کے حصہ کو اکائی قرار دیا گیا ہے کہ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ ایک عورت کا حصہ مرد کے نصف حصہ کے برابر ہے۔ بلکہ تقسیم میراث کے نظام میں عورت کے حصہ کو اساس وبنیاد بنایا گیا اور پھر تمام حصوں کی تعیین کے لیے اسے اکائی بنایا گیا۔ گویا میراث کی تقسیم کا سارا نظام عورت ہی کے حصہ کی اکائی کے گرد گھومتا ہے، جو درحقیقت عورت کی تکریم و وقار کا مظہر ہے۔

کیا حصوں کی تعیین محض جنسیت کی بنا پر ہے؟ اسلامی قانون وراثت میں حصوں کی تعیین محض جنسیت کی بنیاد پر نہیں ہے۔ بلکہ اس کی بنیاد اسلام کا عادلانہ نظام ہے، جو ہر مرد و عورت کو اس کی ضرورت کے مطابق حق اور حصہ عطا فرماتا ہے۔ کیونکہ ماں، بیٹی، بیوی اور بہن کی کفالت کا ذمہ دار مرد کو بنایا گیا ہے عورت کو نہیں اس لیے حصوں کی تعیین دونوں کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے کی گئی ہے بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں مرد و عورت دونوں کے حصے مساوی ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

{وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ} (النساء،۱۱)

ترجمہ: اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا اگر میت کے اولاد ہو۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں صراحتاً مذکور ہے کہ والدین میں سے ہر ایک کے لیے سدس یعنی چھٹا حصہ ہے، والد کو بھی سدس ملے گا اور والدہ کو بھی۔ یہاں پر جنسیت میں اختلاف ہے لیکن حصۂ وراثت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، دونوں کے حصے برابر ہیں۔ ایک اور مقام پر ہے:

{وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ} (النساء،۱۲)

ترجمہ: اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ بٹتا ہو جس نے ماں باپ اولاد کچھ نہ چھوڑے اور ماں کی طرف سے اس کا بھائی یا بہن

ہے تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا پھر اگر وہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو سب تہائی میں شریک ہیں میت کی وصیت اور دین نکال کر جس میں اس نے نقصان نہ پہنچایا ہو یہ اللہ کا ارشاد ہے اور اللہ علم والا حلم والا ہے۔ (کنزالایمان)

مذکورہ بالا دونوں آیتوں سے یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوگئی کہ عورت کے حصہ کی تنصیف محض جنسیت کی بنا پر نہیں کی گئی، بلکہ کوئی دوسری وجہ ہے اور وہ یہ ہے:

چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عورت کی تمام ضروریات کا کفیل مرد کو بنایا ہے اور عورت کو اس ذمہ داری سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ مزید یہ کہ عورت کے لیے روزگار اور معاشی مواقع سے فائدہ اٹھانے پر کوئی پابندی بھی نہیں لگائی گئی جبکہ وہ حدود شرع کا پاس ولحاظ رکھے، عورت پیسہ کما سکتی ہے لیکن اس صورت میں بھی کفالت کی ذمہ داری اس کے شوہر پر ہی ہوگی اور وہ اپنی کمائی خصوصی حق کے طور پر محفوظ رکھ سکتی ہے۔ اگر وہ گھریلو ضروریات کے لیے خرچ کرنا چاہے تو اس کا یہ عمل احسان ہوگا، کیونکہ یہ اس کے فرائض میں شامل نہیں ہے۔ جبکہ مرد کی آمدنی چاہے عورت سے کم ہی کیوں نہ ہو پھر بھی کفالت کا ذمہ دار وہی ہوگا۔ اسی وجہ سے ذمہ داریوں کے تناسب کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک متوازن، مستحکم اور معاشی عدل وانصاف پر مبنی معاشرہ قائم کرنے کے لیے ضروری تھا کہ مردوں کو وراثت میں زیادہ حصہ دیا جائے، تاکہ وہ اپنے اوپر عائد جملہ عائلی ذمہ داریوں کو بطور احسن ادا کر سکیں۔ گویا عورت کا حصۂ وراثت کم نہیں کیا گیا بلکہ مرد کا حصۂ وراثت اس کی اضافی ذمہ داریوں کی وجہ سے بڑھا دیا گیا ہے اور اس طرح مرد وعورت کی معاشرتی، سماجی اور عائلی ذمہ داریوں کی ادائگی میں مالی توازن قائم کر دیا گیا ہے۔

اسلامی قانون وراثت میں جن رشتہ داروں کو وارث قرار دیا گیا ہے وہ تین اقسام پر مشتمل ہیں: ذوی الفروض، عصبات اور ذوی الارحام

ذوی الفروض وہ رشتہ دار ہیں جن کے حصے متعیّن ہیں اور ان کے متعلق قرآن کریم یا احادیث مبارکہ میں واضح احکام موجود ہیں۔ ترکہ کی تقسیم کا آغاز ذوی الفروض سے ہوتا ہے۔ سب سے پہلے ذوی الفروض کو ملے گا اس کے بعد عصبات کو اور پھر ذوی الارحام کو۔ ذوی الفروض درج ذیل مردوں اور عورتوں پر مشتمل ہیں :

ذوی الفروض مرد: شوہر، والد، اخیافی بھائی، اور جد صحیح۔

ذوی الفروض عورتیں: بیوی، ماں، بیٹی، پوتی، حقیقی بہن، علاتی بہن، اخیافی بہن اور جدۂ صحیحہ۔

ذوی الفروض کا چار مردوں اور آٹھ عورتوں پر مشتمل ہونا مردوں اور عورتوں کی نفس وراثت میں مساوی شرکت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ ذوی الفروض میں مردوں کی تعداد سے دوگنا عورتیں شامل کی گئیں اور ان خواتین میں کچھ ایسی بھی ہیں جو براہ راست متوفی کی شرعی کفالت میں نہیں آتی ہیں اس کے باوجود انہیں وراثت میں شامل کیا گیا اس طرح تقسیم وراثت میں مرد وعورت برابر ہوگئے۔

عورت کی سماجی حیثیت: اسلامی معاشرے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عظیم فریضہ کی ادائیگی کا حکم جس طرح مردوں کو دیا گیا عورتوں کو بھی دیا گیا ہے۔ یہ وہ عظیم فریضہ ہے جس کی بنا پر امت محمدیہ کو خیر امت کے لقب سے نوازہ گیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

{وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ} (التوبہ، ۷۰)

ترجمہ: اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں۔ (کنزالایمان)

یہ ہے اسلام کی عطا کردہ عزت وتکریم جس کی وجہ سے عورتیں معاشرے کا ایک محترم اور باوقار حصہ بن گئیں اور انہوں نے زندگی کے مختلف شعبوں میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اسلامی عہد میں علوم وفنون کے میدان میں بھی عورتیں نمایاں مقام کی حامل تھیں۔ اسلام نے دیگر افراد معاشرہ کی طرح خواتین کو بھی عزت، تکریم، وقار اور بنیادی حقوق کی ضمانت دیتے ہوئے ایک ایسی تہذیب کی بنیاد رکھی جہاں ہر فرد سماج کا ایک اہم حصہ ہوتا ہے۔

اسلام نے عورتوں کو وہ تمام حقوق عطا کیے جن کی وہ مستحق ہیں۔ مرد وعورت دونوں کا وجود انسانی زندگی کے لیے لازم وملزوم کی حیثیت رکھتا ہے۔ دونوں کی کاوشیں انسانیت کے ارتقا میں برابر کی حصہ دار ہیں۔ اس معاملے میں کوئی بھی کسی سے کمتر نہیں۔ نہ انسانی وشہری حقوق میں اور نہ مملکت کے ارتقا وعروج میں۔ تاہم دونوں کے مابین فطری صلاحیتوں میں فرق وتفاوت ہے، جو کہ ایک مسلمہ امر ہے۔ اس کے پیش نظر تقسیم کار ضروری ہے، جسے دونوں کو قبول کرنا چاہیے، اسلام نے عورت کے لیے جو حدود کار قائم کی ہیں ان میں عزت وعافیت کا انتظام ہے۔ اسلامی تعلیمات میں مرد وعورت ایک دوسرے کے حلیف ہیں حریف نہیں، ایک دوسرے کے معاون ہیں رقیب نہیں، ایک دوسرے کے ہمدرد وغمگسار ہیں باہم دشمن نہیں۔ ☆☆☆

قطب الاقطاب محبوب سبحانی حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

محمد ہاشم قادری مصباحی

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت و زندگی سراپا تقویٰ تھی، آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور ایک ایک گوشہ کتاب و سنت کی پیروی میں گزرا، آپ کی زندگی کے تمام گوشے اور شعبے اتباع شریعت اور اطاعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معمور تھے۔

اللہ عز و جل فرماتا ہے: قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ پارہ ۳ سورہ آل عمران آیت ۷۳

تم فرمادو کہ فضیلت اللہ کے ہاتھ ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔ (کنزالایمان)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ فضل تو اللہ کے ہاتھ ہے جسے چاہے عطا فرمائے، نبوت و ولایت اعمال پر موقوف نہیں، کبھی عمل سے اور کبھی بغیر عمل سے عطاے رب سے ملتی ہے، حضرت مریم بچپن میں ہی ولی تھیں حالانکہ اس وقت کوئی عمل نہ کیا تھا اس سے معلوم ہوا جسے اللہ خاص کر دے اسے کوئی عام نہیں کر سکتا حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات مبارکہ اہل طریقت کے لیے مشعلِ راہ رہی ہے، آپ ولایت و معرفت کے مینارۂ نور کی حیثیت سے کائنات ارضی پر جلوہ گر ہوئے اور اسلام کی روحانی زندگی کو مشارق و مغارب کی پہنائیوں میں نافذ کرتے رہے دنیاے اسلام کی روحانی بارگاہیں آپ ہی کی نگاہِ کرم سے منور روشن ہوئیں، اور ولایت کے تمام سلاسل آپ سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۰۵۲ھ) غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت کی ایک جھلک پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں ”بعض مشائخ وقت نے آپ کے اوصاف میں لکھا ہے کہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے بارونق، ہنس مکھ، خندہ رو، شرمیلے، نرم طبیعت، کریم الاخلاق، پاکیزہ اخلاق، پاکیزہ اوصاف اور مہربان و شفیق تھے، ہم نشیں کی تعظیم و تکریم کرتے اور غمزدہ افراد کو دیکھ کر امداد فرماتے تھے، مزید لکھتے ہیں، ہم نے آپ جیسا فصیح و بلیغ کسی کو نہیں دیکھا، بعض بزرگوں نے آپ کا اس طرح وصف بیان فرمایا ہے کہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بکثرت رونے والے، اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے۔

خوف خدا ایمان کا لازمی تقاضا: قرآن میں فرمان الٰہی ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَیۡبِ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ کَبِیۡرٌ پارہ ۲۹ سورہ ملک آیت ۱۱

بے شک وہ بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔ (کنزالایمان)

تفسیر روح البیان میں ہے: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے سے بھنی ہوئی کلیجی کی طرح خوشبو آتی تھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تہجد میں اتنا روتے کہ سینہ مبارک سے ہانڈی کھولنے کی طرح آواز آتی تھی۔

خوف خدا ایمان کی علامت ہے: یہ وصف آپ کے اندر بہت زیادہ تھی، نیک اخلاق، پاکیزہ اوصاف، بدگوئی سے بہت دور بھاگنے والے اور حق کے سب سے زیادہ قریب تھے، کسی سائل کو واپس نہ فرماتے، آپ کی ہر دعا بہت جلد قبول ہو جاتی تھی، اللہ تعالیٰ کی توفیق آپ کی راہنما اور تائید الٰہی آپ کی معاون تھی، سچائی آپ کا وظیفہ تھا، آپ انتہائی عبادت گزار تھے، اللہ رب العزت قرآن مقدس میں اپنے محبوب بندوں سے محبت بھرے انداز میں ارشاد فرماتا ہے: میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔

سچ اور حق تو یہ ہے کہ بندہ اپنے معبود حقیقی کی یاد میں ہمہ تن مصروف رہے اور بندے کا خدا کو یاد کرنا ہی اصل زندگی ہے، جہاں تک تعلق ہے خدا کی یاد کا اور اس کے ذکر کا تو کائنات کی ہر مخلوق اپنے اپنے طور پر ذکر و تسبیح میں مشغول ہے اور بندے (انسان) کو بھی اس کی عبادت کرتے رہنے کا حکم ہے یہ بات بقیہ تمام مخلوق کو یاد دلانے کی ضرورت نہیں کہ خدا کو یاد کرو لیکن بندہ انسان ہے غفلت میں پڑ جاتا ہے اپنے رب کو بھول جاتا ہے، تو اس کی غفلت کو دور کرنے کیلئے کلام مجید میں باری تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے ذکر کی طرف متوجہ کیا، جب ہی تو یاد الٰہی میں زندگی گزارنے والے خدا کے مقبول بندے ہوگئے یہ سب بندے اللہ کی یاد میں اس قدر مصروف رہے کی دنیا کے ہر کونے میں اب ان کو جانا پہچانا

جاتا ہے حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک نبی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی، میرے ایسے بعض بندے ہیں کہ وہ مجھے دوست رکھتے ہیں، اور میں ان کو دوست رکھتا ہوں، وہ میری طرف دیکھتے ہیں، میں ان کی طرف دیکھتا ہوں اس نبی علیہ السلام نے کہا کہ خداوندان کی علامت (پہچان) کیا ہے؟ کہا آفتاب کے غروب کو وہ ایسا دوست رکھتے ہیں جیسے پرندے اپنے گھونسلوں کو جب رات پڑجاتی ہے اور اندھیرا چھا جاتا ہے، فرش بچھائے جاتے ہیں اور ان کو بند لگائے جاتے ہیں، دوست اپنے دوست کے ساتھ خلوت کرتا ہے، تو وہ مردانِ خدا اپنے قدموں پر کھڑے ہوجاتے ہیں اللہ کی عبادت کے لیے اور اپنے چہروں کو فرش بناتے ہیں یعنی سجدے کرتے ہیں، مجھ سے راز و نیاز کی باتیں کرتے ہیں بعض چلاتے روتے ہیں بعض آہیں مارتے ہیں اور شکوہ کرتے ہیں اور بعض کھڑے ہوتے ہیں میری عبادت کرتے ہیں

(بهجة الاسرار جلد اول صفحه۸ ۵۷.۵)

بہت مشہور روایت ہے کہ آپ نے چالیس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی اور پوری پوری رات آپ کھڑے ہو کر نماز میں قرآن کی تلاوت فرماتے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا کہ جو کوئی میری طرف ایک قدم بڑھتا ہے میں دس قدم اس کی طرف بڑھتا ہوں، وہ مجھے ایک بار یاد کرے میں اسے دس بار یاد کرتا ہوں اور جب کوئی یاد کرکے کثرتِ ذکر سے میرے نزدیک آجاتا ہے، تو میں اس بندے کے حواس خمسہ بن جاتا ہوں، اب اس کا کرنا میرا کرنا اور اس کی ہربات پوری کرتا ہوں۔

چنانچہ غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا رتبۂ محبوبیت یہ ہے کہ بغیر ارادہ بھی زبان سے کچھ نکل جائے تو رب کریم اس کو پورا کردے، تمام اولیائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ غوث الاعظم مرتبۂ ولایت میں سب کے سردار ہیں اور رتبۂ محبوبیت پر فائز ہیں، آپ نے پوری زندگی خدا کی یاد میں گزاری اور خدا کے محبوب رسول اکرم ﷺ کا ذکر اتنا بلند کیا کہ خدا نے آپ کے ذکر کو بھی بلندی عطا کردی، اور اپنا محبوب قرار دیا اور جب خدا کے لاڈلے ہوگئے تو فرماتے ہیں کہ خدا مجھے کھلائے گا تو کھاؤں گا خدا مجھے پلائے گا تو پیوں گا (اخبار الاخیار صفحہ ۱۸)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا:

قسمیں دے دے کے کھلاتا ہے پلاتا ہے تجھے
پیارا اللہ تیرا چاہنے والا تیرا

شیخ الحرمین امام عبد اللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی سیرت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں، آپ کے کمالات ظاہری و باطنی کا احاطہ کرنے میں بڑے بڑے عارفین بھی قاصر ہیں اور کوئی اسلوب تحریر ان کمالات باطنی کا احاطہ کرنے میں مکمل بیان پر حاوی نہیں ہوسکتا۔

حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے احیائے دین کے سلسلے میں وہ بطل جلی اور رہبر اعظم ہیں کہ جن کے دست بابرکت نے دینِ اسلام کو ایک مثالی شکل میں مریض پاکر حیاتِ نو (نئی زندگی) بخشی اور چہار دانگ عالم میں "محی الدین" کے عظیم لقب سے مشہور و معروف ہوئے، سیدنا غوث الاعظم ہفتے میں تین بار مجلس و وعظ فرماتے، آپ کا وعظ کیا ہوتا تھا علم و معرفت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہوتا تھا، تذکرہ نگار لکھتے ہیں آپ کی کوئی مجلس ایسی نہ ہوتی تھی جس میں غیر مسلم اسلام قبول نہ کرتے ہوں اور گناہ گار توبہ سے مشرف نہ ہوتے ہوں بغداد کی آبادی کا ایک بڑا حصہ آپ کے دست مبارک پر توبہ سے مشرف ہوا اور بکثرت غیر مسلم دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ وعظ و تقریر بڑی صاف گوئی اور جرأت و بہادری کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عظیم فریضہ انجام دیتے تھے، چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں "حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ خلفاء، وزراء، سلاطین اور عوام و خواص سب کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرماتے اور بڑی صاف گوئی اور جرأت کے ساتھ ان کو بھرے مجمع میں اور بر سرِ ممبر علی الاعلان ٹوک دیتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی آپ کو پرواہ نہ ہوتی تھی انتہائی بے باک، حق گو تھے۔

(بحوالہ تاریخ دعوت عزیمت جلد اول، صفحہ ۲۱۶)

یا شیخ عبد القادر جیلانی کا وظیفہ: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الانتباہ" میں حل مشکلات کے لیے تلقین فرماتے اور لکھتے ہیں،

پہلے دو رکعت نماز پڑھے، اس کے بعد ۱۱۱/بار درود شریف ۱۱۱/بار کلمۂ تمجید، بعدہٗ ۱۱۱/بار یاشیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ پڑھے دعا مانگے قبول ہوگی مجرب ہے، یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کا وظیفہ حصول مقصد اور دشمنوں پر ظفریابی کیلئے بہت مجرب و کامیاب وظیفہ ہے، علماء و صوفیاء نے لکھا ہے، مقصد برآری کے لیے رات میں سوتے وقت (۱۰۰۰) ایک ہزار مرتبہ پڑھ کر داہنے ہاتھ پر دم کرکے سوئے ☆☆☆

آخری قسط

مرشدِ اعظم ہند احسن العلما مارہروی

مبارک حسین مصباحی

(۶) محترمہ سیدہ ثمینہ خاتون: کراچی میں ولادت ہوئی۔ قرآن عظیم اپنی پھوپھی صاحبہ اور والد ماجد سے پڑھا۔ قرآن کریم بہت اچھے انداز میں پڑھتی ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے گرلس کالج سے گریجویشن کیا۔

سیادت و شرافت کی پیکر ہیں، نیک سیرت اور بلند اخلاق ہیں، نمازوں کی حد درجہ پابند ہیں، دیگر عبادتیں اور معمولات بھی آپ کی عادتوں کا حصہ ہیں۔ ننیہال کے عزیزوں کے نقوی سادات کے خاندان میں عالی جناب سید آفتاب احمد نقوی سے شادی ہوئی۔ ماشاء اللہ تین بچے ہیں۔

سیدہ زرینہ، سید شہاب، سیدہ نور الزہرا۔

(۷) حضرت سید محمد افضل دام ظلہ العالی: ۱۹۶۳ء میں مارہرہ مطہرہ میں پیدا ہوئے۔ قرآن عظیم گھر کے بزرگوں سے پڑھا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے L.L.B. اور L.L.M. کیا اور ۱۹۹۰ء میں I.P.S. میں منتخب ہوکر مدھیہ پردیش کیڈر میں ضلع چھتر پور میں بحیثیت سپرنٹنڈنٹ پولس تعینات ہوئے۔ پولس جیسے محکمے میں ہونے کے باوجود جہاں جہاں تعینات رہے وہاں وہاں لیاقت اور شرافت کا عمدہ معیار پیش کیا مدھیہ پردیش کے تمام بڑے افسران کے نام اور عمدہ کاموں سے واقف ہیں۔ اس کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور جامعہ ملیہ دہلی میں رجسٹرار رہ چکے ہیں۔

آج کل گوالیر ایم پی میں I.G. ہیں۔ ان تمام مصروفیات کے باوجود شعر و ادب کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں۔ افسانہ نگاری میں اپنی شناخت رکھتے ہیں۔ ادبی حلقوں میں ایک کامیاب خطیب کی حیثیت سے بھی متعارف ہیں۔

بقول حضرت سید محمد اشرف "افضل سلمہ کو تقریر کی خداداد صلاحیت ودیعت ہوئی ہے۔ شعر و سخن اور ادب کی دوسری اصناف کا بہت پاکیزہ ذوق ہے۔ ان کے احباب کا حلقہ بہت وسیع ہے"۔ سید محمد افضل صاحب تاج دار اہل سنت حضرت مفتی اعظم ہند بریلوی علیہ الرحمہ سے بیعت ہیں۔ خلافت و اجازت اپنے والد گرامی حضرت احسن العلما علیہ الرحمہ سے حاصل ہے۔ ان کی شادی خانقاہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے سجادہ نشیں حضرت امین ملت دامت برکاتہم العالیہ کی بیگم کی چھوٹی بہن سیدہ راشدہ خاتون سے ہوئی جو بفضلہ تعالیٰ زیور تعلیم سے آراستہ ہیں۔ ماشاء اللہ ایک بیٹا جس کا نام سید برکات حیدر ہے۔ اسے بیعت اپنے دادا حضرت احسن العلما علیہ الرحمہ سے حاصل ہے۔ ایک بیٹی ہے جس کا نام سیدہ کائنات حیدر ہے۔ دونوں ماشاء اللہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور کامیاب ہیں۔

(۸) حضرت رفیق ملت دامت برکاتہم العالیہ: رفیق ملت مرشدِ طریقت حضرت سید شاہ نجیب حیدر میاں دام ظلہ العالی حضرت احسن العلما قدس سرہ کے سب سے چھوٹے بیٹے ہیں۔ والد بزرگوار کے وصال کے بعد آپ خانقاہ عالیہ برکاتیہ کے نائب سجادہ نشیں منتخب ہوئے، عصری علوم کے ساتھ دینی علوم کا مطالعہ بھی وسیع ہے، فکر و مزاج پر خانقاہی رنگ غالب ہے، اتباع سنت، حق گوئی، تقویٰ شعاری، بلند اخلاقی اور خوش طبعی آپ کے امتیازات ہیں، محنت و جفاکشی، خدمت خلق، غربا پروری، رحم دلی، اصاغر نوازی، جود و سخا، دریا دلی، مہمان نوازی اور خانقاہی نظم و نسق میں انتہائی چاق و چوبند رہنا آپ کے اوصاف و کمالات ہیں۔ ان سے جو ایک بار مل لیتا ہے بار بار ملنا چاہتا ہے۔ اس زمانہ میں خود غرضی اور مصلحت پسندی نے حق گوئی کو کنارے لگا دیا ہے، لیکن حضرت رفیق ملت حق بات کہنے سے کبھی نہیں چوکتے، بلند کردار و عمل کے ساتھ قول و عمل میں ہمیشہ یکسانی رکھتے ہیں۔ آپ اپنے اسلاف کے سچے جانشین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دست غیب عطا فرمایا ہے، ہزار کشادہ دستی اور دریا دلی کے باوجود فیاضیوں کا سیلاب امڈتا ہی رہتا ہے۔ اس دور میں دعوت و تبلیغ اور ارشاد و ہدایت کو پیشہ بنا لیا گیا ہے۔ عام طور پر پیر و مبلغ اس بلا میں مبتلا ہیں۔ یوں تو پورا خانوادہ برکاتیہ اس بلا سے بہت دور ہے لیکن حضرت رفیق ملت کی تو کچھ شان ہی اور ہے۔ سال بھر دورے فرماتے ہیں پھر بھی ان کی تاریخ نہیں ملتی، جس جلسہ میں جاتے ہیں اصلاحی انقلاب برپا فرما دیتے ہیں، بڑی اثر انگیز تقریریں فرماتے ہیں، عام طور پر مدارس کے جلسوں میں دونوں ہاتھ بھر بھر کر مدرسوں کی اعانت فرماتے ہیں،

لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر آپ کی حیرت انگیز فیاضیوں کے جلوے دیکھتے ہیں اور عش عش کرتے ہیں۔

سید نجیب کتنے ہیں خوش کام و خوش مزاج
اور ہاتھ میں کشادگی شاہ سخا کی ہے

حضرت رفیق ملت ۱۹۶۷ء میں خانقاہ برکاتیہ میں پیدا ہوئے، قرآن عظیم اپنی پھوپھی سیدہ حافظہ زاہدہ خاتون سے اور کچھ حصہ حضرت احسن العلما سے پڑھا اور اردو کی تعلیم اپنی والدہ ماجدہ سے حاصل کی اس کے بعد گریجویشن کیا، اللہ تعالی نے وہبی علم دین سے سرفراز فرمایا ہے۔ دین و شریعت، طریقت و معرفت اور حقیقت کی بلند منزلوں پر فائز ہیں۔ مجلسی محفلیں ہوں یا جلسوں اور کانفرنسوں کے میدان ہر مقام پر بھرپور بولتے ہیں۔ موقع و محل کی مناسبت سے موضوع کا حق ادا فرماتے ہیں۔

حضرت شرف ملت آپ کے تعلق سے اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

”حضور والد ماجد علیہ الرحمہ نے ان کی تربیت اس انداز سے کی ہے کہ وہ خانقاہ، درگاہ، اعراس اور جائداد کے معاملات و انتظامات کی نگرانی میں ماہر ہوگئے، سلسلہ کے مریدین و متوسلین سے ان کا ربط زیادہ رہا، حضرت والد علیہ الرحمہ نے حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے دست حق پرست کے سپرد کر دیا تھا۔ سید نجیب حیدر سلمہ برکاتی اور رضوی حلقے میں بفضلہ تعالیٰ بہت مقبول ہیں۔ نجیب سلمہ کو خلافت و اجازت اپنے والد ماجد حضور احسن العلما علیہ الرحمہ سے حاصل ہے اور ان کی حیات میں ہی جو یان بیعت سید نجیب حیدر سلمہ کی خداداد صلاحیتوں اور کیفیت جذب کو دیکھ کر ان کے ہاتھ پر بیعت ہونے لگے تھے“۔

رفیق ملت حضرت نجیب میاں کی شادی اپنی سب سے چھوٹی خالہ کی سب سے چھوٹی بیٹی سے ۱۹۹۴ء میں ہوئی، ان کی اہلیہ زیور تعلیم سے آراستہ ہیں۔ ماشاء اللہ تین بچے ہیں۔ سید عارف حیدر برکاتی، سید حسن حیدر برکاتی، سید محسن حیدر برکاتی۔

حضرت رفیق ملت خانقاہ برکاتیہ کے نائب سجادہ نشین اور مختار عام ہیں۔ مسجد برکاتی مارہرہ شریف میں حضور احسن العلما علیہ الرحمہ نے ۵۴ برس ارشاد و خطابت کی خدمت انجام دی اب اس جگہ پر حضرت رفیق ملت ارشاد و خطابت کی خدمت انجام دیتے ہیں۔

اپنے اکابر کی روایات کے مطابق حضرت رفیق ملت بھی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے قلبی لگاؤ رکھتے ہیں۔ حضرت احسن العلما علیہ الرحمہ کی بہت خواہش تھی کہ آپ جامعہ اشرفیہ میں برائے تعلیم داخلہ لیں مگر افسوس کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ آپ سلسلہ تعلیم کے لیے جامعہ اشرفیہ تشریف نہ لا سکے اور جامعہ اشرفیہ خانقاہ برکاتیہ کی ایک بڑی خدمت سے محروم رہا۔

اساتذہ اشرفیہ اور اراکین اشرفیہ سے بڑا گہرا ربط ہے، راقم سطور مبارک حسین مصباحی پر بھی حد درجہ نوازش فرماتے ہیں ایک بار ”سیدین نمبر“ کے سلسلہ میں کچھ ضروری معلومات فراہم کرنے کے لیے خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ میں حاضر ہوا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ راستے میں ہی طبیعت خراب ہوگئی، خانقاہ برکاتیہ میں پہنچا تو طبیعت نڈھال تھی فوراً سائیکل لے کر رکشا لے آئے اور خود ساتھ میں بیٹھ کر اپنے فیملی ڈاکٹر کے پاس گئے، ڈاکٹر صاحب نے دوا لکھ دی، میں میڈیکل پر دوا خریدنے جانے لگا تو بڑے محبت بھرے لہجہ میں فرمایا: مبارک بھائی! آپ نے ہمیں پہچانا نہیں ہے فوراً میرے ہاتھ سے رقعہ لیا اور خود دوا خرید کر لائے اور پھر دیر گئے رات تک ساتھ میں بیٹھے رہے۔ وہ جب اپنے اس خادم کو ”مبارک بھائی“ کہہ کر پکارتے ہیں تو میرا کئی پلی خون بڑھ جاتا ہے۔ حضرت رفیقِ ملت دام ظلہ العالی آج کل بھی گاہے بہ گاہے فون کرتے ہیں اور دعاؤں سے نوازتے رہتے ہیں اور کبھی کبھی ہم بھی شرفِ نیاز حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدا ان کا سایۂ کرم دراز فرمائے۔ اب خانقاہوں میں ایسے خانقاہی کہاں ملتے ہیں۔

حضرت رفیق ملت ۱۲/ جنوری ۲۰۰۲ء کو پہلی بار جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں تشریف لائے تھے، دراصل شہر اعظم گڑھ میں جامعہ اشرفیہ کی شاخ مدرسہ عزیز العلوم کی جدید عمارت کے سنگ بنیاد کی مناسبت سے ایک اجلاس عام کا پروگرام طے پایا، اسی میں شرکت کے لیے آپ کو مدعو کیا گیا تھا اسی موقع پر جامعہ میں بھی تشریف لائے تھے۔ جامعہ اشرفیہ کے استقبالیہ پروگرام کی رپورٹ مولانا فیض احمد رضوی نے تیار کی تھی، جو ماہ نامہ اشرفیہ فروری ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئی تھی، عنوان تھا ”چمن اشرفیہ میں گل گلزار برکاتیت کی تشریف آوری“ اس رپورٹ کو ہم اپنے موضوع کی مناسبت سے ذیل میں نقل کرتے ہیں:

”حضرت رفیق ملت گل گلزار برکاتیت ناشر مسلک اعلیٰ حضرت نور نظر احسن العلما حضرت سید شاہ نجیب حیدر میاں برکاتی مدظلہ النورانی نے ۱۲/ جنوری ۲۰۰۲ء کو الجامعۃ الاشرفیہ کو اپنے قدوم

میمنت لزوم سے شرف بخشا۔

جامعہ میں حضرت کی آمد کا شدت سے انتظار تھا، طلبہ سے لے کر اساتذہ تک اور اساتذہ سے لے کر اراکین تک سب سراپا تصویر انتظار بنے نگاہیں فرش راہ کیے ہوئے تھے، ایک عجیب سماں تھا، کیف و سرور کا ماحول تھا، طلبہ حضرت کے دیدار کے تصور سے، مسرور و شاداں نظر آرہے تھے، ہر چہار جانب حضرت کی آمد آمد کا چرچا تھا۔

پھر وہ مبارک ساعت آئی جس کا سب کو بے صبری سے انتظار تھا بعد عصر جیسے ہی میکرو فون پر اعلان ہوا کہ کچھ ہی دیر میں حضرت رفیق ملت تشریف لانے والے ہیں ، دلوں کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں، چہرے اندرونی جذبات کی تپش سے تمتما اٹھے اور طلبہ و اساتذہ جوق در جوق مرکزی گیٹ کے سامنے جمع ہونے لگے، اور دیکھتے ہی دیکھتے طلبا بڑی دور تک دو رویہ قطار بنائے ایستادہ ہوگئے، مرکزی درس گاہ کے گیٹ پر اساتذۂ جامعہ حضرت عزیز ملت دامت برکاتہم القدسیہ کی قیادت میں گل ہائے عقیدت لیے جمع ہوگئے۔ چند لمحوں میں جامعہ کی فضا تکبیر و رسالت کے نعروں سے گونج اٹھی۔

بعد نماز مغرب حضرت عزیز ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ عزیزی مصباحی کی سربراہی میں جلسۂ استقبالیہ کا انعقاد کیا گیا جس کی نظامت نقیب اشرفیہ ادیب شہیر فاضل جلیل حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب نے فرمائی، حضرت قاری جلال الدین صاحب نے تلاوتِ کلامِ الٰہی سے جلسہ استقبالیہ کا آغاز کیا، مولوی عسجد رضا نے نعت پاک کے ذریعہ سامعین کو عشق و محبت کی وارفتگی سے سرشار کر دیا۔ بعد ازاں نقیب اشرفیہ نے جامعہ کا مختصر تعارف پیش کیا، اور حضرت عزیز ملت کو خطبۂ استقبالیہ کے لیے دعوت دی، حضرت عزیز ملت نے خطبۂ استقبالیہ میں حضرت رفیق ملت کی جامعہ آمد پر شکریہ ادا فرمایا اور قلبی مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے حضرت سے گزارش کی کہ حضرت اپنے تاثرات کا اظہار فرمائیں اور دعاؤں سے نوازیں۔ حضرت نعرہائے تکبیر و رسالت کی گونج میں مائک پر تشریف لائے اور اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:-

”ہم نے اپنے ابا حضور احسن العلما علیہ الرحمہ سے اشرفیہ کے بارے میں بہت سنا تھا اور بچپن سے اسے دیکھنے کی خواہش تھی، آج دیکھا دل باغ باغ ہو گیا، طبیعت خوش ہوگئی یہ حافظ ملت کا لگایا ہوا پودا آج ایک تناور درخت بن چکا ہے، اسے باد مخالف نے اکھاڑنے کی بہت کوششیں کیں، لیکن یہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ اسے نظر بد سے بچائے اور مارہرہ کا فیضان اشرفیہ پر کل بھی تھا اور آج بھی ہے انشاء اللہ کل بھی رہے گا، میں سربراہِ اعلیٰ صاحب سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر اس جامعہ کے لیے ہمیں اپنے خون کا آخری قطرہ بھی دینا پڑا تو ہم اس سے دریغ نہ کریں گے اور یہی جامعہ اشرفیہ آج مسلک اعلیٰ حضرت کا سچا ترجمان ہے۔ یہ اشرفیہ حافظ ملت کی یادگار ہے اسے حافظ ملت نے اپنے خون سے سینچا ہے، اللہ اسے نظر بد سے بچائے اور اساتذۂ اشرفیہ کو بھی نظر بد سے بچائے اور ان کی عمروں میں برکتیں عطا فرمائے۔ حضرت نے بڑے چاؤ سے ارشاد فرمایا کہ میرا بیٹا ابھی کم عمر ہے جب وہ اس جامعہ میں داخلہ کے لائق ہو جائے گا تو انشاء اللہ اس کا داخلہ میں جامعہ اشرفیہ میں کراؤں گا، تعلیم و تربیت کے لیے حضرت عزیز ملت کے حوالے کر دوں گا انشاء اللہ تعالیٰ“۔

اعظم گڑھ کے اجلاس عام کی سرپرستی بھی حضرت نے فرمائی، جب کہ منصب صدارت پر عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ جلوہ فرما تھے، اور خصوصی خطیب کی حیثیت سے علامہ قمر الزماں اعظمی جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن لندن اور مولانا عبید اللہ خان اعظمی ممبر آف پارلیمنٹ کے خطابات ہوئے، نظامت کے فرائض راقم سطور مبارک حسین مصباحی نے انجام دیے، جب کہ انتظامی امور الحاج سرفراز احمد ناظم اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ اور مولانا علی افسر عزیزی مصباحی سابق پرنسپل عزیز العلوم اعظم گڑھ نے بحسن وخوبی انجام دیے۔ شہر اعظم گڑھ کی سرزمین پر ایک یادگار پروگرام تھا اس میں خاصی تعداد میں نامواران اعظم گڑھ اور اساتذہ اشرفیہ نے شرکت کی، چند شرکا کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حضرت علامہ محمد احمد مصباحی شیخ الجامعہ، مولانا یٰسین اختر مصباحی دہلی، مولانا ممتاز احمد مصباحی مبارک پوری مقیم لندن، مولانا محمد عبد المبین نعمانی مصباحی اور ڈاکٹر شکیل اعظمی مصباحی وغیرہم۔ رفیق ملت حضرت سید شاہ نجیب حیدر میاں برکاتی دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے خطبۂ سرپرستی میں دینی و سماجی صلاح و فلاح کے حوالے سے بڑے کام کی باتیں ارشاد فرمائیں۔ عام فہم لب ولہجہ میں خدا جانے کیسی تاثیر تھی، ہر خاص و عام انھیں کی مدح و ستائش میں رطب اللسان تھا لفظ لفظ، از دل خیز و بر دل ریزد کا نمونہ تھا۔ عمومی فائدے کے پیشِ نظر ان کے خطاب سے چند اقتباسات نذر قارئین ہیں:

”مسلمانو! اگر تمھیں علمائے کرام کا کہنا ماننا ہے تو اپنی بیٹیوں اور بہنوں کا ورثہ دیا کرو۔

کیوں کہ تم نہ اپنی بیٹیوں کا ورثہ دیتے ہو اور نہ تم اپنی بہنوں کا

ورثہ دیتے ہو، اور یہ کہہ دیتے ہو کہ ہم نے شادی کی تھی جہیز دے دیا تھا۔

یاد رکھو! باپ کی ملکیت میں جو جہیز دیا جاتا ہے وہ بہنوں کا ورثہ نہیں ہوا کرتا ہے، وہ بیٹیوں کا ورثہ نہیں ہوا کرتا ہے۔ آپ نے مدرسوں میں آنا چھوڑ دیا ہے، مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنا چھوڑ دیا ہے اس لیے اسلام سے دور ہوتے جا رہے ہو۔ پہلے تربیت کے لیے دو جگہیں ہوا کرتی تھیں، ایک خانقاہ اور ایک درس گاہ۔ اب تو آپ کی اگر تربیت ہوگی تو ان مدرسوں سے ہوگی، خانقاہیں تو الا ماشاء اللہ باقی رہ گئی ہیں۔ اب خانقاہیں کھانے اور کمانے کا ذریعہ بن گئی ہیں۔ خانقاہوں میں جو آج ہو رہا ہے اس سے پیسہ لیا جا رہا ہے، مریدوں کی جیب پر نظر رکھی جا رہی ہے، مریدوں کے دل پر نظر نہیں رکھی جا رہی ہے۔ اس لیے اپنے بچوں کو ان درس گاہوں کے قریب کرو، جب تمھارے بچے درس گاہوں کے قریب ہو جائیں گے، وہ علم دین حاصل کر لیں گے تو انشاء اللہ وہ اپنی بہنوں کے ورثے بھی دیں گے، اپنی بیٹیوں کے ورثے بھی دیں گے اور ہمارے اندر جو لعنتیں پیدا ہو گئی ہیں، جو برائیاں پیدا ہو گئی ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ وہ دور ہو جائیں گی۔ ہم اپنی اچھائیاں کسی قوم کو نہیں دکھا سکتے، لیکن دوسری قوم کی برائیاں آج مسلمانو! تم نے سیکھ لی ہیں، کیوں کہ تم ان درس گاہوں سے دور ہو گئے ہو۔

کبھی یہ ہوتا تھا کہ جہیز کی خاطر سیتا اور گیتا جلائی جاتی تھیں۔ آج کلثوم اور رقیہ جلائی جا رہی ہیں۔ آج تم جہیز کی مانگ کر رہے ہو، یاد کرو کہ حضرت مولا علی مشکل کشا نے حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ تمھارے بابا جان کنیزیں بانٹ رہے ہیں، جا کر ایک کنیز لے آؤ اور جب حضرت فاطمہ کنیز لینے گئی تھیں تو حضرت نبی کریم ﷺ نے انکار فرما دیا تھا کہ بیٹی میں تمھیں کنیز نہیں دوں گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے اور آپ کے آقا علم غیب جانتے تھے کہ اگر آج میں نے فاطمہ کو کنیز دے دی تو میری امت کے لوگ اپنی بیبیوں سے کہیں گے کہ جاؤ اپنے باپ کے گھر سے دولت مانگ کر لاؤ۔ اپنے باپ کے گھر سے گاڑی مانگ کر لاؤ، تو ان کے باپوں کو دینا پڑے گا۔ تو مسلمانو! ایک بات یاد رکھنا، جہیز مانگنے کی جو لعنت آگئی ہے، اپنے اندر سے اس لعنت کو دور کر دو۔ اگر تم سے کوئی جہیز مانگے تو اپنی بیٹی بھکاری کو کبھی مت دینا، غریب کے گھر میں دے دینا، غریب کے گھر میں تمھاری بیٹی سکھی رہ سکتی ہے، لیکن بھکاری کے گھر میں تمھاری بیٹی کبھی سکھی نہیں رہ سکتی۔ کیوں کہ جو در در کی بھیک مانگا کرتا ہے اسے تو بھیک مانگنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ اگر کسی فقیر کو سلطنت بھی دے دیں اور بادشاہت بھی دے دیں لیکن اسے تو بھیک مانگنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ وہ بھیک ہی مانگ کر اپنا پیٹ بھرے گا، اس لیے تمھاری بیٹیوں کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔

کیا تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ تمھارے کام صرف پیروں کی دعاؤں سے ہو جائیں گے تو یہ تصور غلط ہے۔ قسم خدا کی اگر پیروں کی دعاؤں سے سارے کام ہو جاتے تو سب سے دولت مند پیر ہی ہوا کرتے۔ ہاں پیروں کی دعاؤں سے کام ہوا کرتے تھے، لیکن وہ پیر اپنی قبروں میں آرام فرما ہیں، جشن صد سالہ حضور مفتی اعظم ہند میں مولانا قمر الزماں اعظمی نے بڑی پیاری بات کہی تھی کہ اگر تم یہ کہو کہ اے اللہ! امریکہ کی توپوں میں کیڑے پڑ جائیں تو امریکہ کی توپوں میں کیڑے نہیں پڑیں گے، امریکہ کے بم بیکار نہیں ہوں گے، اس کے لیے مسلمانو! اپنا عمل پیش کرو، اپنی زندگی پیش کرو۔ تم پڑھ لکھ جاؤ گے تو دوسروں کا مقابلہ کر سکتے ہو، آج سب سے زیادہ جاہل ہم اور آپ نظر آ رہے ہیں۔

آج ہمارے پاس علم کی دولت نہیں ہے اس لیے ہم ذلیل و رسوا ہوتے نظر آ رہے ہیں، اگر تم علم حاصل کرو گے تو انشاء اللہ تعالیٰ تمھاری زندگی کامیاب ہوگی، تمھاری زندگی کامران ہوگی، اور آپ اپنے بچوں کو پڑھاتے ہیں اسی طرح اپنی بچیوں کو بھی تعلیم ضرور حاصل کرانا۔ کیوں کہ پہلی درس گاہ ماں کی گود ہوا کرتی ہے، جب تمھاری بچیاں پڑھیں گی تو آنے والی نسلیں سدھر جائیں گی۔

آج ہم لوگوں پر الزام لگایا جا رہا ہے کہ مسلمان اپنی بیوی کو فوراً طلاق دے دیتا ہے، آپ کا حال یہ ہے کہ اگر آج کسی پیر سے مرید ہو گئے، اور بچہ پیدا ہوتا ہے تو نام تو پیر صاحب رکھیں گے، بچے کے عقیقے میں پیر صاحب آئیں گے، بچے کی رسم بسم اللہ خوانی میں پیر صاحب آئیں گے، بچے کی منگنی میں پیر صاحب آئیں گے، بچے کے نکاح میں پیر صاحب آئیں گے، بچے کی شادی میں پیر صاحب آئیں گے، ہر چیز تو پیر صاحب سے پوچھ کر کرتے ہو، لیکن جب تم اپنی بیوی کو طلاق دیتے ہو تو اپنے پیر صاحب سے نہیں پوچھ لیتے، اگر تم پیروں سے پوچھو تو پیروں کا جوتا ہوگا اور مرید کا سر ہوگا۔ کیوں کہ بیویاں طلاق دینے کے لیے نہیں آتیں، جو مرد ہوتا ہے وہ اپنی بیوی کو طلاق کبھی نہیں دیتا، جو نامرد ہوتا ہے وہ اپنی بیویوں کو طلاق دے دیا کرتا ہے، کیوں کہ وہ بیویوں کو سنبھال نہیں پاتے شرعی عذر کے بغیر۔ مرد آدمی کبھی بیوی کو طلاق نہیں دیتا۔ بیویوں کے حقوق پہچانو، جتنے حقوق تمھارے ہیں اتنے ہی حقوق

تم پر تمھاری بیویوں کے ہیں۔

ایک شخص اپنی بیوی کی بد خلقی کی شکایت لے کر امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دروازے پر جاتے ہیں تو گھر میں کسی عورت کے چلانے کی آواز آرہی ہے، وہ لوٹ جاتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم تشریف لاتے ہیں، کہتے ہیں آپ آئے تھے، پھر واپس کیوں جارہے ہیں۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ جو مسئلہ لے کر میں آپ کی بارگاہ میں آیا تھا وہی معاملہ آپ کے ساتھ درپیش ہے تو آپ میرا مسئلہ کیا حل کریں گے۔ وہ بولے میری بیوی مجھے ڈانٹتی پھٹکارتی ہے، اور مجھ پر ظلم کرتی ہے، میں اس کی شکایت کرنے آیا تھا۔ حضرت عمر فاروق اعظم کا جواب سنیے وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ بے شک میری بیوی مجھے ڈانٹتی پھٹکارتی ہے، لیکن یہی تو میری بیوی ہے جو میرے لیے کھانا پکادیتی ہے، یہی تو میری بیوی ہے جو میرے لیے بستر لگادیتی ہے، یہی تو میری بیوی ہے جو میرے بچے کو دودھ پلایا کرتی ہے، اگر وہ تمھارے بچے کو دودھ پلانے کی اجرت مانگے تو تمھیں اجرت دینی پڑے گی، تو تم اپنی بیویوں کو بیویاں سمجھو، انھیں نوکرانی مت سمجھو، کہتے ہو ہم بیویوں پر حاکم بن کر آئے ہیں، ہمارا کام حکومت کرنا ہے، حاکم کا کام حکومت کرنا نہیں بلکہ جو پریشانیاں ہوتی ہیں ان کو رفع کرنا ہوتا ہے۔ ان کو دور کرنا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس قوم کی حالت کو تنگی میں ڈال دیتا ہے جو قوم اپنی حالت بدلنے کی فکر نہیں کرتی۔ آج ہماری نمازیں قضا ہو رہی ہیں، روزے ہم سے چھوٹ رہے ہیں، بیویوں پر ہم ظلم کر رہے ہیں، پڑوسیوں کا مال ہم چھین رہے ہیں، یتیموں کا مال ہم کھا رہے ہیں، اس کے بعد کہتے ہیں کہ فلاح و بہبود والے ہیں، ارے فلاح و بہبودی والے کیسے ہو سکتے ہو، جب تم یتیموں کی مدد کرنا شروع کر دو، بیواؤں کی مدد کرنا شروع کر دو، اس کے بعد فلاح و بہبودی پاؤ گے، کامیابی و کامرانی پاؤ گے۔

مسلمانو! اب آنے والا ہے بقرعید کا مہینہ، اس میں قربانی ہوگی، جب بکرے خریدنے کے لیے جائیں گے تو بڑے بڑے بہترین بکرے لائیں گے، بڑی بہترین بہترین بھینسیں لائیں گے، اس لیے لائیں گے کہ پڑوسی لایا ہے، دو ہزار کا بکرا تو میں لاؤں گا دس ہزار کا بکرا۔ ورنہ پڑوس میں میری ناک کٹ جائے گی۔ یہ علمائے کرام ممبرِ رسول پر تشریف فرما ہیں۔ ان سے پوچھیے کہ دس ہزار کا بکرا لانے کے لیے کیا اللہ کے پیارے رسول نے فرمایا ہے؟ نہیں بلکہ اللہ کے رسول نے فرمایا ہے کہ توانا جانور ہو، اس کی قربانی کر دو، اگر پڑوسی کی دکھانے کے لیے قربانی کی ہے تو وہ قربانی قبول نہیں، اگر تم قربانی کرنا چاہتے ہو تو صحیح و سالم بکرا لے آؤ، چھوٹی قیمت کا بکرا لے آؤ اور باقی جو پیسے بچے اس سے محلے کے یتیم بچوں کو تعلیم دلاؤ، یتیم بچیوں کی شادی کراؤ، بیواؤں کی مدد کرو۔ پڑوس میں تمھارے بھائی سردی سے ٹھٹھر رہے ہیں، اور تم قربانی کے لیے دس ہزار کا بکرا لا رہے ہو، پڑوسی کے پاس رہنے کے لیے مکان نہیں ہے اور تم ذبح کر رہے ہو بیس ہزار کی بھینس۔

سنو میں خانقاہ والا ہوں، لیکن ایک بات کہنا چاہتا ہوں، میں خانقاہ سے وابستہ ہوں اور تم خانقاہ میں جاتے ہو اور خانقاہوں میں بڑی چادریں لے کر جاتے ہو، اور خانقاہوں میں قیمتی سے قیمتی چادریں لے کر جاتے ہو، میں پوچھنا چاہتا ہوں، کیا یہی اعلیٰ حضرت کا مسلک ہے۔ ارے قیمتی قیمتی چادریں لے جانے والے، کیا کبھی آنکھ اٹھا کر دیکھا ہے کہ پڑوسی کے پاس لحاف ہے یا نہیں، پڑوسی کے پاس کمبل ہے یا نہیں، پڑوسی کے پاس چادر ہے یا نہیں۔ اے لوگو! بڑی بہترین چادر مزار شریف پر لے جاتے ہو، ادھر چادر ڈالتے ہو، اُدھر مجاور بڑھا، ادھر سجادہ بڑھا، چادر کو اٹھا یا دکانوں پر بیچ دیا، اب چادر گھوم رہی ہے،، کبھی وہ چادر اس کے پاس، کبھی اس کے پاس، کبھی تمھارے پاس، کبھی مجاور کے پاس، کبھی مولانا عبید اللہ خان اعظمی کے ہاتھ میں کبھی مولانا قمر الزماں اعظمی کے ہاتھ میں کبھی مولانا مبارک حسین مصباحی کے ہاتھ میں۔

مسلمانو! تمھاری چادر ایک ہے اور وہ گھوم رہی ہے، اب بتاؤ کہ تمھاری چادر کا فائدہ کون اٹھا رہا ہے۔ میں بتاؤں تمھاری چادروں کا فائدہ تو مجاور اٹھاتے ہیں یا خانقاہ کا سجادہ اٹھاتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو تمھاری چادروں سے فائدے اٹھاتے ہیں۔ اگر تم اپنی چادروں کا فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو ان کے مزار اقدس پر پھول لے جاؤ، دو روپے کا پھول لے کر جاؤ، پانچ روپے کا پھول مزارِ اقدس پر چڑھا دو، جب تک وہ پھول تر و تازہ رہیں گے تمھارے لیے دعائیں کرتے رہیں گے، اور سنو جو پیسہ اس کا بچے اس سے بیواؤں کی مدد کرو، اس سے بیواؤں کی دعا ملے گی، یتیموں کی دعا ملے گی، غریبوں کی دعا ملے گی، تمھاری زندگی کامیاب ہو جائے گی، تمھاری زندگی کامران ہو جائے گی۔

مسلمانو! آج کا پیر وہ ہوتا ہے جو ملے کو دور کر دے اور کل کے پیروں کا یہ حال تھا کہ ٹوٹے دلوں کو ملا دیا کرتے تھے، پہلے جو پیر ہوا کرتے تھے وہ فقیر ہوا کرتے تھے، وہ فاقہ والے ہوا کرتے تھے، وہ قناعت والے ہوا کرتے تھے، وہ رہبری والے ہوا کرتے تھے، مسلمانو!

آج کا پیر بھی فقیر ہے لیکن شیرینی والا فقیر ہے، قورمے والا فقیر ہے، روپیہ کمانے والا فقیر ہے، شیرینی کھائے گا، قورما کھائے گا، روپیہ کمائے گا۔ گھر میں بیوی نے بنائی کھیر، جو سب کھا جائے وہی آج کا پیر۔

الحمد للہ ہم مسلکِ اعلیٰ حضرت کے ماننے والے ہیں اور دیکھیے مسلک اعلیٰ حضرت کا کام اب اگر خانقاہوں سے ہوگا تو وہ مارہرہ مقدسہ اور درس گاہوں سے ہوگا تو وہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ہے، اور آج میں یہاں عزیز ملت کے سامنے وعدہ کرتا ہوں اور اشرفیہ میں بھی وعدہ کیا کہ اگر جامعہ اشرفیہ کے لیے ہمیں اپنے خون کا آخری قطرہ بھی دینا پڑا تو ہم اس سے دریغ نہیں کریں گے۔"

ابھی آپ حضرت رفیقِ ملت دامت برکاتہم العالیہ کے ارشادات کا مطالعہ فرما رہے تھے، حضرت نے ہمارے معاشرہ کی بے اعتدالیوں پر دردمندانہ لب ولہجہ میں جس جرائت مندی کے ساتھ ضرب لگائی ہے، یہ اسی خانقاہ کے مشائخ کا حصہ ہے، مگر حق بہر حال کڑوا ہوتا ہے، ممکن ہے کچھ لوگ تاب ضرب نہ لا کر کروٹیں بدلیں، اس لیے انھیں کسی طرف نظر اٹھانے کے بجائے اپنے احوال واہداف پر نظر ثانی کرنا چاہیے اور اللہ سے خوف کرنا چاہیے، ملت اور قائدینِ ملت کی سرفرازیوں کے لیے "رضائے مولا از ہمہ اولا" از بس ضروری ہے۔ اور یہ حقیقت ایک لمحے کے لیے بھی ذہنوں سے اوجھل نہیں رہنا چاہیے کہ حضرت رفیق ملت کا یہ خطاب محض ایک روایتی خطاب نہیں بلکہ خانقاہ عالیہ برکاتیہ کی اصلاحی مہم کا یادگار پیغام ہے۔ یہی مسلکِ اعلیٰ حضرت کی سچی ترجمانی ہے۔

احسن العلما کا وصال پر ملال اور کاروان اشرفیہ:-

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

۱۲ر ستمبر ۱۹۹۵ء ستمبر پیر کا دن گزار کے رات کو قریب ڈیڑھ بجے یہ قیامت خیز فون موصول ہوا کہ احسن العلما حضرت سید مصطفےٰ حیدر حسن میاں قادری برکاتی سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف، دہلی میں وصال فرما گئے۔ یہ روح فرسا خبر سنتے ہی دل ودماغ کا عالم زیر وزبر ہوگیا۔ ایک سرد آہ کے ساتھ زبان پر انا للہ وانا الیہ راجعون کے کلمات جاری ہوگئے۔ اب آنکھوں سے نیند کا پرندہ اڑ چکا تھا۔ دل بیٹھا جا رہا تھا۔ شب دیجور کے سناٹوں میں پوری فضا ڈوبی ہوئی تھی۔ پردہ ذہن پر طرح طرح کے خیالات ابھر رہے تھے اور ختم ہو رہے تھے۔ آہ! اب ملت کے الجھے ہوئے مسائل کا حل کون تلاش کرے گا۔ آہ! اب تشنگان معرفت کو سیراب کون کرے گا۔ آہ! اب علمائے اہل سنت کی دستگیری کون کرے گا۔ آہ! اب مشائخ اہل سنت کی سرپرستی کون کرے گا۔ آہ! اب امام احمد رضا کی شراب معرفت کا جام کون پلائے گا۔ آہ! اب تصوف کے اسرار ورموز کون سمجھائے گا۔ آہ! الجامعۃ الاشرفیہ کا محبت بھرا تعارف کون کرائے گا۔ یہ سوچتے سوچتے مجھ پر ایک سیمابی کیفیت طاری ہوگئی اور نمود صبح کے انتظار میں بستر پر کروٹیں بدلتا رہا، مگر شب غم کی اس تنہائی میں کوئی نہیں تھا جو کہتا کہ تمھارے دل ودماغ کی یہ مضطربانہ کیفیت حضور احسن العلما کو واپس نہیں لاسکتی۔ ٹوٹے دلوں کی ناشکیبائی نے کبھی قدرت کا نظام بدلا ہے جو آج بدلے گا۔ فِاذا جاء اجلھم ، لا یستاخِرون ساعة ولا یستقدِمون.(اعراف، آیت ۳۴)

انتظار کے صبر آزما لمحات کے بعد صبح کا سپیدا نمودار ہوا، نماز فجر کے بعد قیام گاہ سے الجامعۃ الاشرفیہ رابطہ قائم کیا۔ فون پر حضرت مولانا زاہد علی سلامی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ سے ملاقات ہوگئی۔ ان کا پہلا سوال تھا مارہرہ شریف جانے کے لیے کیا پروگرام طے کیا۔ حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی اور حضرت علامہ محمد احمد مصباحی وغیرہ ماروتی وین سے رات ہی میں نکل چکے ہیں۔ میں نے اشرفیہ پہنچنے کا وعدہ کر کے فون رکھ دیا اور بلا تاخیر اشرفیہ کے لیے روانہ ہوگیا۔ اشرفیہ پہنچا تو پورا ماحول حساس تھا۔ جامعہ پر غم واندوہ کی چادر تنی ہوئی تھی۔ جامعہ کے تمام شعبوں میں تعطیل کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ آفس سے قرب وجوار کے مدارس اور ذمہ دار حضرات کو اس حادثہ کی خبر بھیجی جا رہی تھی۔ اساتذہ وطلبہ ایک عجیب بے چینی اور اضطراب کی کیفیت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ عزیزی ہال میں قرآن خوانی اور بزم ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا تھا۔ سب لوگ اس میں شریک ہو کر مصروف تلاوت تھے۔ کچھ مارہرہ شریف پہنچنے کی تیاریوں میں سرگرداں تھے۔ قریب نو بجے دن تمام شعبوں کی جانب سے مشترکہ طور پر سیکڑوں قرآن عظیم کی تلاوت کا ایصال ثواب کیا گیا۔ اور دعائے مغفرت کی گئی۔

مبارک پور سے مارہرہ شریف کا فاصلہ چھ سو کلومیٹر سے بھی زائد ہے۔ سیکڑوں طلبہ نماز جنازہ میں شرکت کے لیے پر تول رہے تھے۔ اتنی عجلت میں ایک لمبے سفر کے لیے کئی گاڑیوں کا انتظام ایک مشکل ترین مسئلہ تھا۔ خیر! جب یہ مسئلہ حل ہوا تو ایک گاڑی کے ذریعہ اساتذہ کے ایک قافلہ میں ہم لوگ نکلے اور چند اساتذہ کی قیادت میں دو بسوں کے

ذریعہ طلبہ بھی روانہ ہوگئے۔ اشرفیہ کے اندر میں نے ایسا منظر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ حضور حافظ ملت نے نقارہ "الرحیل" بجادیا ہو اور عزیزی دستے رخت سفر باندھ کر سرکار مارہرہ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لیے ٹوٹے دلوں کا نذرانہ لے کر نکل پڑے ہوں ۔ راستے بھر حضرت احسن العلما علیہ الرحمہ کے اخلاق فاضلہ اور اوصاف حمیدہ کا تذکرہ ہوتا رہا۔ سب لوگ اپنی اپنی یادوں کے چراغ جلاتے رہے اور ذکر خیر کی محفل سجاتے رہے۔ وقت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نماز جنازہ میں شرکت یقینی نہیں تھی مگر ایک امید کی کرن تھی جس کے سہارے زخم آبلہ پائی کا احساس کیے بغیر دیوانوں کا قافلہ بڑھتا ہی چلا جارہا تھا۔

اس عہد بلا خیز میں آپ کی زندگی ایک مینارہ ہدایت تھی۔ انھیں نہ اپنے حسب ونسب کا غرہ تھا اور نہ کبھی پدرم سلطان بود کو وجہ افتخار سمجھا۔ وہ عالی نسب سید گھرانے کے چشم وچراغ تھے۔ مگر انھوں نے اپنے آبا واجداد کے روشن ناموں کو کبھی کھانے کمانے کا دھندا نہیں بنایا۔ ان کی نظر میں امیر وغریب یکساں تھے وہ سب کو اپنے خوان نعمت سے نوازتے۔ ان کی علما نوازی کا حال دیکھ کر اسلام کے عہد زریں کی یاد تازہ ہوجاتی تھی۔ آج پیری مریدی ایک پیشہ نہیں بلکہ اعلی تجارت ہوکر رہ گئی ہے اگر چل گئی تو پیر رئیس وقت ہوجاتا ہے اور نہ چلی تب بھی عام سطح زندگی سے بلند ہی رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے پیر الا ماشا اللہ اسلامی تعلق خاطر کے تمام پیمانے توڑ کر صرف سیٹھوں اور دولت مند مریدوں ہی کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ مگر حضرت کی زندگی اس عام روش سے بالکل مختلف تھی مرید ان کی تلاش میں نکلتے تھے وہ مریدوں کی تلاش میں کبھی نہیں نکلے۔ احباب آپ کی پاکباز زندگی کے رقت انگیز واقعات سناتے رہے اور سفر کٹتا رہا کتنی ہی بار پیمانہ صبر چھلکا اور دامن تر ہوکر رہ گیا۔ آہ!

ع: دل سے کس طرح مٹادوں تری یادوں کے نقوش

شہر ایٹہ پہنچے تو نماز فجر کا وقت قریب تھا۔ رفقائے سفر کا مشورہ ہوا پہلے نماز فجر ادا کرلی جائے پھر آگے بڑھیں گے۔ مسجد میں داخل ہوئے تو مسافروں کا ایک وفد نظر آیا۔ ان کے تھکے ہارے جسموں اور پژمردہ چہروں کو دیکھ کر یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ یہ بھی اسی تیر غم کی چوٹ کھائے ہوئے ہیں جس کے قتیل ہم ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ نماز جنازہ بعد نماز عصر ادا کی جاچکی ہے اتنا سننا تھا کہ پیروں کے نیچے سے زمین کھسک گئی۔ آہ! آخری دیدار کی حسرت بھی بالیں کے قریب سر پٹک کر رہ گئی ۔

اس کے دل سے پوچھیے ناکامیوں کی لذتیں
جو مسافر لٹ گیا ہو جا کے منزل کے قریب

نماز فجر اول وقت میں ادا کرنے کے بعد ہم لوگ جب مارہرہ شریف کے حدود میں داخل ہوئے تو لوگ نمازوں سے فارغ ہوکر جوق درجوق آستانہ عالیہ برکاتیہ میں داخل ہورہے تھے۔ ہم لوگ بھی پراگندہ حال، درد وغم سے نڈھال آستانہ پر جلال کی چوکھٹ کو چومتے ہوئے داخل ہوگئے۔ یکلخت پردئہ ذہن پر یہ تصور ابھرا۔ یہی وہ مرکز روحانیت ہے جس کے معدن سے امام احمد رضا جیسا عبقری اور مجدد اٹھا اور پوری دنیا میں عشق ومعرفت اور علم وتحقیق کا انقلاب برپا کردیا۔ یہی وہ دربار فیض بار ہے جس کی ایک جھلک شیخ المشائخ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی پر پڑی تو وہ آفتاب رشد وہدایت بن کر چمکنے لگے۔ یہی وہ بحر معرفت ہے جس کے ساحل سے بڑے بڑے اساطین علم اور تشنگان معرفت سیراب ہوئے۔ پہلے ہم لوگوں نے صاحب البرکات حضرت شاہ برکت اللہ عشقی علیہ الرحمہ اور دیگر بزرگوں کے مزارات مقدسہ پر فاتحہ پڑھی اور پھر دل تھام کر لرزتے قدموں سے اس تازہ قبر انور کی جانب بڑھے جس میں صاحب مزار کو لیٹے ہوئے صرف ایک رات گزری تھی۔ عجیب رقت کا عالم تھا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی، ہر شخص اپنے ہی غم کا فریادی تھا۔ یہاں بہت سے شناسا چہرے نظر آئے مگر اجنبی اجنبی سے۔ اتنے میں ایک دل ہلا دینے والی چیخ بلند ہوئی دیکھا تو فقیہ عصر شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی تھے۔ حاضرین پر عجیب رقت طاری ہوگئی۔ دلوں کے پیمانے تو پہلے ہی سے لبریز تھے ٹھیس لگتے ہی چھلک پڑے اور پورا مجمع آہ وفغاں میں ڈوب گیا۔ حضرت شارح بخاری اور احسن العلما کے درمیان بڑے گہرے مراسم تھے۔ حضرت مفتی صاحب احب الخلفا تھے میں نہیں جانتا کہ علما میں حضرت شارح بخاری سے زیادہ کوئی عالم ان سے قریب تھا۔

حضور احسن العلما علیہ الرحمہ کی موت۔ "موت العالم موت العالم" کی صحیح مصداق تھی آپ کے سانحہ ارتحال سے پوری جماعت اہل سنت متاثر ہوکر رہ گئی ہے۔ ملک بھر میں تعزیتی جلسوں کے سلسلے جاری رہے مگر سچائی تو یہ ہے کہ اللہ کے ولی مرتے نہیں بلکہ ایک لمحے کے لیے ان پر موت طاری ہوتی ہے پھر ہمیشہ کے لیے زندہ ہوجاتے ہیں۔ اور ان کا روحانی فیضان حیات ظاہری سے ہزاروں گنا بڑھ جاتا ہے۔

جمال اس کا چھپائے گی کیا بہار چمن
گلوں سے دب نہ سکی جس کی بوئے پیرہن

امام احمد رضا کے ممدوح

شاہ امین احمد فردوسی

اور تحریکِ مصلحین ندوہ

مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی

گزارش (۵): مولانا! ہم خادمانِ مذہبِ سنّت جماعت کی یہ ضرور دلی خواہش ہے کہ اس جلسۂ ندوہ کے شریک ہوکر اس کے فوائد و منافع سے بہرہ اندوز ہوں، مگر طرفین کے علما کی تقریروں سے عجیب تذبذب دلوں میں آگیا ہے۔ اب ہم لوگ متردد ہیں کہ کیا کریں؟ آپ سے مقدس عالم کے پاس فریادی آئے ہیں۔ خدارا انصاف فرمائیے اور قطعی وشافی جواب دے کر شکوک زائل کیجیے۔ آپ عالم ہیں، امر حق کہیں گے اور بمقتضائے آیت کریمہ ولا تکتموا الشهادة کتمانِ حق نہ فرمائیں گے، طالبانِ حق کو التباس میں نہ پڑنے دیں گے، بلکہ صاف تحریری جواب عطا فرمائیں گے۔[1]

مگر وائے افسوس کہ ذمّہ داران انجمن "ندوۃ العلما" نے ان عاجزانہ ومعروضانہ گزارشات پر بھی کوئی توجّہ نہیں دی اور ہمیشہ ٹال مٹول ہی سے کام لیا۔

۱۳۱۴ھ میں جب انجمن "ندوۃ العلما" کا ایک اور وفد جس میں خود ناظم انجمن مولانا محمد علی بھی شریک تھے، بہار آیا اور جابجا بلکہ خود پٹنہ میں بھی شہرت دی کہ جنابِ حضور زیب سجّادہ خانقاہ معظم بہار شریف اور حضرت شاہ بدرالدین صاحب، سجّادہ نشین خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف وغیرہ مشائخ کرام "ندوۃ العلما" کے ساتھ اور اس کے مؤید ہیں۔ جلسۂ عام میں یہ اعلان بھی کیا کہ... "جن لوگوں کو ندوہ کے برحق ہونے میں کچھ شکوک وشبہات ہوں وہ بالمشافحہ گفتگو کر کے اپنے شکوک وشبہات رفع کرلیں" ... تو قاضی صاحب کے والد ماجد قاضی عبدالحمید کی طرف سے وفد کے نام یہ مکتوب ارسال ہوا:

آپ حضرات اجازت دیں تو ہم بھی ان علمائے کرام کو جو ندوہ سے اصلاح کی خواستگاری رکھتے ہیں، مدعو کریں اور حاضر ہوکر اپنے شکوک وخدشات کو بہ نظر تشفیٔ خاطر پیش کریں۔ کیا خوب ہو کہ بعد رفع خلش وعذرات کے ہم لوگ بھی ندوہ کی شرکت سے اعزاز حاصل کریں۔

والسلام خیر ختام

اہل انجمن کی طرف سے اس مکتوب کا جواب یہ آیا کہ:

"ندوہ کو محض اصلاح مقصود ہے اور مقابلہ ومباحثہ مدنظر نہیں"[2]

پھر بھی قاضی صاحب موصوف نے ٹیلی گرام دے کر علمائے مصلحین کو مدعو کرلیا۔ مولانا عبدالصمد سہسوانی، مولانا وصی احمد محدّث سورتی، مولانا حکیم سجّاد کانپوری، مولانا حسن رضا خان بریلوی، اور مولانا سید اخلاص حسن سہسوانی پٹنہ پہنچ گئے اور چند معززین کے ہاتھوں قاضی عبد الحمید صاحب کے بقول طالبانہ استفادہ کا خط محض اصلاح باہمی کی خاطر مولانا محمد علی کی خدمت میں پیش کیا، جس کے جواب میں زبانی یہ پیغام آیا کہ:

"ندوہ گفتگو نہیں کرنا چاہتا ہے"[3]

علمائے مصلحین کی پٹنہ تشریف آوری کی خبر خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پہنچی تو صاحب سجّادہ حضرت شاہ بدرالدین علیہ الرحمۃ جو پہلے ندوہ کی رکنیت قبول فرما چکے تھے انہوں نے قاضی صاحب کے نام ۳؍ شعبان کو گرامی نامہ ارسال فرمایا جس میں اپنی مجبوری کا ذکر کرتے ہوئے ان علما سے ملاقات کی تمنّا ظاہر کی۔ حضرت صاحب سجّادہ نے تحریر فرمایا:

ایں پاشکستہ معذور و مجبور بلطف سامی برکات لقائے علما را آرزو مند است واز ظلمت قلب و بے نصیبیِ خود اگر زیادہ نتواند از ثواب زیارت کہ النظر الیٰ وجہ العالم عبادۃ محروم نخواہد شد، فقط۔ جاروب کش آستانۂ مجیبی

محمد بدرالدین پھلواروی اصلح اللہ حالہ[4]

(ترجمہ) میں پاشکستہ مجبور و معذور آپ کی مہربانی سے علما کی ملاقات کا آرزو مند ہوں۔ اپنی بے نصیبی اور ظلمت قلب کے باعث زیادہ نہیں کر سکتا، تو علما کی زیارت سے تو محروم نہ رہوں کیونکہ عالم کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے حسب خواہش علمائے اہل سنّت پھلواری شریف حاضر ہوئے تو گفتگو کے دوران انجمن "ندوۃ العلما" کے نقائص بھی بیان میں آئے۔ حضرت شاہ صاحب نے سماعت کے بعد علما کا شکریہ ادا کیا اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

(۱)- دربار حق وہدایت، ص:۱۷۵، ۱۷۴، مرتبہ مولانا عبدالوحید فردوسی۔

(۲)- دربار حق وصداقت

(۳)- عروۃ الوثقیٰ ص: ۶، ۵، مرتبہ مولانا عبدالوحید فردوسی۔

(۴)- عروۃ الوثقیٰ ص: ۷

"آپ لوگ بر سر حق ہیں، ندوہ سے ہم کنارہ کش ہوئے، میری یہ تحریر شائع کر دیجیے۔"

تحریر حضرت شاہ بدرالدین صاحب علیہ الرحمۃ سجادہ نشین خانقاہ پھلواری شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم*الھم صل وسلم علی سیدنا ومولانا محمدوآلہ وصحبہ اجمعین

مجمع محامدواوصاف، دامت الطافکم !بعد سلام مسنون اسلام مظہر مرام ام کہ پیش ازیں دوروداد مجلس ندوۃ العلماو بعض دیگر رسالہ کہ بآں تعلق دارد بعنایت جناب مولوی محمد علی صاحب ناظم ندوہ نزد کاتب الحروف رسیدہ ودیدہ شدہ بودند۔ واینک اشتہار وفتویٰ ودیگر چندرسالہ باظہار مفاسد در بعضے از مقاصد مجلس ندوۃ العلما کانپور کہ وجہ تخالف علمائے اہل سنّت شدہ اند بمطالعہ آمدند۔ ظاہر شدکہ جملہ سوالات کہ از تحریرات ازیں ندوہ منتخب شدہ اندوجوابہائے مفتی مذہب اہل سنّت باصواب اند۔ نام ایں بدنام کنندۂ نیکو چند، درروداد مجلس ندوہ منعقدہ لکھنو بزمرۂ اراکین طبع شدہ است بدیں سبب کہ اعزی واحبّی مولوی محمد ایوب سلمہ اللہ تعالیٰ شریک مجلس شدندونیابت از طرف کاتب الحروف نیز فرمودند۔ ودر مجلس بریلی اگرچہ از طرف ایں معذور وکیلے ونائبے نرفتہ، لیکن بعدازاں بماہ ربیع الثانی بایمائے یاددہانی یکے از منتظمان ندوہ زر مقررہ ذمّہ اراکین رادر دفتر ندوہ فرستادہ ام کہ باعث انطباع حقیر در روداد ایں مجلس نیز خواہد بودوگمان غالب است کہ طبع شدہ باشد۔ وازیں وقت از ندوۂ علمائے کانپور کنار کردہ ام۔ پس آئندہ تا اصلاح مفاسد ایں گم نام را در فہرست اراکین ندوہ ملاحظہ نخواہند فرمود۔ انشاء اللہ تعالیٰ !اگرچہ شرکت ایں گوشہ نشیں محض برائے نام بودازایں قدر نیز درگزشتم۔ والسلام۔

جاروب کش آستانہ مجیبی

محمد بدرالدین پھلواروی اصلح اللہ حالہ (۵)

(ترجمہ) مجمع محامد واوصاف، دامت الطافکم! اسلامی طریقہ کے مطابق سلامِ مسنون کے بعد اظہار مقصود یہ ہے کہ جناب مولوی محمد علی صاحب ناظم ندوہ کی عنایت سے مجلس ندوۃ العلما کی دوروداد یں اور اسی سے متعلق کوئی دوسرا رسالہ موصول ہوکر نگاہوں سے گذرا تھا۔ اب اشتہار، فتویٰ اور دوسرے چندرسالے جن میں ندوۃ العلما کے بعض مقاصد کی خرابیوں کا بیان ہے اور جن کی وجہ سے علمائے اہلِ سنّت اس کے مخالف ہیں، مطالعہ میں آئے۔ ندوہ کی تحریروں سے جتنے سوالات منتخب کئے گئے ہیں اور مذہب اہل سنت کے مفتی صاحب نے ان کا جو جواب دیا ہے وہ درست ہیں۔ اس بدنام کنندۂ نیکو چند کا نام اراکین مجلس ندوہ منعقدہ لکھنؤ کی روداد میں اس بنا پر چھپا ہے کہ اعزی واحبّی مولوی محمد ایوب سلمہ اللہ تعالیٰ اس مجلس میں شریک ہوئے تھے اور میری نیابت کی تھی۔ مجلس منعقدہ بریلی میں اگرچہ مجھ مجبور کا کوئی وکیل ونائب نہیں گیا تھا مگر اس کے بعد ماہ ربیع الثانی میں منتظمین ندوہ میں سے ایک شخص کی یاددہانی پر رکنیت کی مقررہ فیس ندوہ کے دفتر کو بھیج دی تھی۔

اس لیے ہوسکتا ہے اس مجلس کے اراکین کی فہرست میں بھی میرا نام شائع ہوا اور گمان غالب ہے کہ اب تک شائع بھی ہوگیا ہوگا۔ اب سے ندوۃ العلما کانپور سے الگ ہورہا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ جب تک ان خرابیوں کی اصلاح نہیں ہوجاتی ہے اس گمنام کا نام اراکین ندوہ کی فہرست میں ملاحظہ نہیں فرمائیں گے۔ اگرچہ اس گوشہ نشیں کی شرکت محض برائے نام تھی، اب اس سے بھی باز آیا۔ والسلام

صاحب سجّادہ پھلواری شریف کے علاوہ مطاع خلائق قبلہ وکعبہ جنابحضور شاہ امین احمد فردوسی زیب سجادہ خانقاہ معظم بہار شریف بھی شروع میں "ندوہ" کو اہل سنت ہی کی انجمن سمجھ کر اس کے ایک مقامی اجلاس کی صدارت فرما چکے تھے۔ آپ نے ان علما کی تشریف آوری کی خبر سنی تو انہیں بہار شریف آنے کی دعوت دی اور علما کا قافلہ دوشنبہ کے دن بہار شریف حاضر ہوا۔ جناب حضور نے ان کے طعام وقیام کا انتظام، خاص خانقاہ شریف میں کیا اور اعلان عام کے ساتھ ساتھ اپنی طرف سے رقعہ بھی تقسیم کرادیا کہ کل بروز سہ شنبہ ۹ بجے صبح سے جامع مسجد میں علمائے اہل سنت کی تقریریں ہوں گی عوام وخواص سبھی جوق در جوق تشریف لائیں۔ دوسرے دن وقت مقررہ پر جناب حضور کی صدارت میں علمائے اہل سنّت کی تقریریں ہوئیں جن میں قرآن وحدیث اور اقوال ائمہ و فقہا کے حوالے سے اہل سنت کے عقائد کا بیان اور "ندوۃ العلما" کے نقائص کا تذکرہ ہوا۔ جلسہ کا اختتام حضرت صدر اجلاس کے ان جملوں پر ہوا:

ہم پہلے لاعلمی میں تائیدی جلسۂ ندوہ کے صدر ہوئے تھے، مگر اس جلسہ میں نورانیت مطلق نہ تھی۔ اب ہم اس جلسۂ ندوہ کی شرکت سے باز آئے اور مجلس علمائے اہل سنت بریلی کے بہ دل وجان شریک ہوئے۔ (۶)

اختتام جلسہ کے بعد جنابحضور نے انجمن "ندوۃ العلما" کے خلافِ اہل سنت ہونے پر علمائے اہل سنت کا مرتّب کردہ فتویٰ بنام 'السنّۃ' پر اپنی مہر ثبت فرمائی اور اپنی طرف سے ایک اشتہار بعنوان مطلع الانوار مرتب کرکے مہر سے مزین فرمایا اور شائع کرنے کا حکم دیا۔

(۵)-مرآۃ الندوہ ص: ۶،۵، مرتبہ مولانا عبدالوحید فردوسی۔

(۶)-مرآۃ الندوہ ص: ۶،۵، مرتبہ مولانا عبدالوحید فردوسی۔

مطلع الانوار: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ امر نہایت مسلم الثبوت ہے کہ جب آدمی کسی ایسی چیز میں کہ جس کے حل وعقد یا ترک واخذ میں متامّل ہوتا ہے، وہاں اس کا ایک ہاتھ نفس کے اختیار میں ہوتا ہے، تو دوسرا دل کے قابو میں۔ نفس اپنی طرف کھینچتا ہے تو دل اپنی طرف۔ نفس چاہِ گمراہی میں گرانا چاہتا ہے تو دل شمع ہدایت لے کر سامنے آموجود ہوتا ہے۔ دنیا میں جتنی اچھی یا بری باتیں آئے دن پیش آتی ہیں، اگر انسان ان پر غور کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ عماراتِ بدن میں نفس اور دل کی حکومت کس طرح پر ہے؟ بری روش اختیار کرنے والا اگرچہ ایک سچے فرماں بردار یعنی دل کے تخت حکومت سے نکل کر نفس سرکش کی مدد سے کسی امر ناپسندیدہ کا مرتکب ہو جائے تو ہو جائے، مگر دل تھپکیاں دے کر ضرور اس کو چونکاتا اور ہوشیار کرتا ہے۔ شاید ہی کوئی آدمی ایسا ہو جس کا کسی کام میں ایک پاؤں آگے بڑھتا ہو تو ایک پاؤں پیچھے نہ ہٹتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس ندوہ میں شریک ہونے کو میرا دل نہیں چاہتا تھا۔ اور عزیزوں کے اصرار سے شریک ہونا بھی چاہتا تھا تو دل پاؤں توڑ کر بیٹھا دیتا تھا۔ جس روز یہ جلسہ بہار (شریف) کی جامع مسجد میں ہوا ہم نہیں کہ سکتے ہیں کہ اس دن ہمارے دل کی کیا حالت تھی؟ اس دن نہ تو اس مسجد کی عظمت ہی کا کچھ اثر تھا نہ اس بہار میں ...(یہاں کچھ الفاظ ہیں جو صاف پڑھے نہیں جاتے ہیں)... ہی نے میرے دل کو کچھ متاثّر کیا تھا۔ قبل اس کے کہ اس صدارت کے متعلق کوئی بات پیش کی جائے میں کبھی اس مسجد کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا تھا اور کبھی اس جماعت کو۔ اس واردات قلبی سے میں خود فال لے چکا تھا کہ اس مجلس کی بنا محض خیر کی نسبت سے نہیں ہے۔ تھوڑی دیر بعد ندوہ کی ایک تقریر سے میرا دل مان گیا کہ یہ اس کلام کے اثرات تھے، جس نے میرے دل کو انقباض سے مشت مال کر رکھا تھا۔ کس اہل اسلام کا یہ عقیدہ ہو سکتا ہے کہ کسی کے عقائد چاہے کیسے ہی خراب ہوں، ایک کلمہ گوئی اس کے مسلمان بنانے کو کافی ہے؟ ہم دیکھ رہے ہیں کہ شیعی، روافض، دہری، فلسفی، نیچری وغیرہ سب کلمہ گو ہی ہیں، مگر ان کے عقائد ایسے ہیں کہ توبہ ہی بھلی۔ علیٰ ہذا یہ کہنا کہ سنّی، شیعی، مقلد وغیر مقلد کے درمیان ویسا ہی اختلاف ہے جیسا درمیان امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے۔ اور من ھٰذا القبیل اس ندوہ کے منہ جتنی باتیں نکلتی ہیں وہ ویسی ہیں کہ ہرگز مذہب اہل سنّت والجماعت کے موافق ومساعد نہیں۔ اس جلسہ کے بعد ہمارا خیال کچھ ایسا ہی تھا کہ ندوہ کی تحریریں میری نظر سے گذریں۔ اس کی تمام تحریروں سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ اس نے ایک فلسفیانہ مذہب اختیار کر کے ہر مذہب وملت کے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ مذہب سے الگ ہو کر اس نے تقریر کی... (یہاں کچھ الفاظ ہیں جو کاغذ کی کہن سالگی وشکستگی کی وجہ پڑھے نہیں جا سکے) اور سچ پوچھیے تو اس کی دوراز کار تحریروں پر اسلامی حقوق کے ساتھ جو کچھ شور وشغب کیا ہے اپنی جگہ پر ہے۔ ہم نے اس واقعہ کے ساتھ ایک خواب بھی ایسا ہی دیکھا کہ ندوہ کے تین اشخاص میرے یہاں آئے اور مجھ کو ان کی باتوں سے نفرت پیدا ہوئی اور میں ہٹ گیا۔ بہرحال ایک نئی اپج ہے جو اس ندوہ نے لوگوں کو شریک کرنا چاہا ہے۔ میں اس سے بالکل خلاف ہوں۔ جب اس ندوہ کی بدولت اسلام کو سلام ہی ہے تو ہم اس سے اپنے آپ کو علاحدہ ہی رکھنا پسند کرتے ہیں۔ اگرچہ ہم پر چاروں طرف سے اس کا تقاضہ ہے کہ اس ندوہ کا ہمدرد وہمداستاں ہو جاؤں۔ اور ہوتا اور ضرور ہوتا مگر کیا کروں کہ اس ندوہ نے اپنی بے جا تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ سے مذہب حق کا کچھ اس طرح پر ناحق خون کرنا چاہا ہے کہ میں اس کے اختیار میں بالکل مجبور ہوں۔ ان کی تحریروں کو دیکھیے ذرا بھی نشتر سے کم نہیں ہیں۔ اس کے اغراض چاہے کیسے ہی عمدہ ہوں اور اس کے قدرت بھرے ہاتھ انمول موتیوں کو خاک ودھول سے نکال کر ابنائے روزگار کے سامنے رکھ بھی دیں، مگر ہم اس نئے دین، نئے اسلام، نئے اعتقاد سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتے اگرچہ عزیزوں نے مجھ سے میرے خیال کو پوچھا مگر بدیں خیال کہ شاید کسی تقریر یا کسی تحریر سے ہمارا خیال اس کی طرف سے بدل جائے، تھوڑے دنوں تک متامّل رہا۔ مگر اس سبب سے کہ ندوہ کی ساری تقریروں، ساری تحریروں نے میرے دل پر الٹا اثر کیا اور (یہاں کچھ الفاظ ہیں جو پڑھے نہیں جاتے ہیں) بروفق مصلحت اس کا حامی ومددگار ہو سکتا ہے۔ اس واسطے ہم اس جماعت کی دل فریب باتوں پر مائل ہو کر اپنا دین ومذہب اس ندوہ کے ہاتھ نہیں بیچ سکتے۔ دنیا میں ہمیشہ سے مختلف خیالات اور مختلف اتوار اور مختلف اوضاع کے لوگ ہوتے ہی آئے ہیں، اور آج بھی ہیں۔ اگر ہمارا خیال دوسروں کے ساتھ موافقت نہ کرے تو کیا کیا جائے؟ ایک دن وہ بھی آئے گا کہ محق حق اور مبطل باطل کا نتیجہ دیکھ لے گا۔ جہاں اس ندوہ میں ہر مذہب وملت کے لوگ شریک کیے گئے ہیں، وہاں جماعت کے دین واسلام کی کون امید کی جا سکتی ہے؟ اس وقت تمام رسالے ندوہ کے ہمارے سامنے رکھے ہیں اور جتنے اعتراضات اہل سنت والجماعت کے جرگے سے نکلے اور وارد کیے گئے ہم نے کسی کی تردید نہیں دیکھی۔ لوگوں کی چکنی چپڑی باتوں اور ان کی درپردہ بدسلوکیوں پر ارباب اہل سنت والجماعت پر فرض ہے کہ اس سے بچیں اور اپنے کو اس سے علاحدہ رکھیں۔ گو ظاہر میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے اغراض بہت مفید ہیں۔ ہوں! مگر دین بیچ کر دنیا کی ترقیوں پر مٹنا کون دین

دار مسلمان پسند کر سکتا ہے؟ اس کی تحریریں شائع ہو چکی ہیں، جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ ہر فرد مسلمان کو سب سے پہلے ضروری ہے کہ اپنے ملت حنفیہ و مذہب حقہ کی حفاظت کرے، اور اسی کا غم کھائے۔ غم دنیا میں تو دین سے بے پرواہ نہ ہونا چاہئے۔ غم دین خور کہ..... ہم دیکھتے ہیں کہ ارباب دنیا دین فروشی کے ساتھ بڑی بڑی ترقیاں کر رہے ہیں اور اسی پر جان دیتے ہیں تو کیا مرد مسلمان کے نزدیک یہ امر پسندیدہ ہے؟ ہرگز نہیں۔ آجکل نوجوانان تو اس کو خدا جانے کتنی ترقیوں کا باعث سمجھے ہوں گے۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ اس ندوہ میں ایک ایسی قوت موثّرہ ہے اور ہوگی کہ لوگوں کو گمراہ اور لامذہب کر کے چھوڑے گی۔ اس واسطے ہم کو اس کے ساتھ ہرگز دلچسپی نہیں ہے، بلکہ اس کا بالکل مخالف ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ہر مسلمان کو ان کے فتنے سے بچائے۔ اور لوگوں کو توفیق دے کہ اپنے دین و مذہب پر درستی عقاید کے ساتھ قائم و مستقیم رہیں۔ کتبہ امین احمد فردوسی (۷)

ماہنامہ تحفۂ حنفیہ کا اجرا: جمادی الاولیٰ ۱۳۱۵ھ میں ماہانہ رسالہ "مخزن تحقیق" معروف بہ "تحفۂ حنفیہ" جاری کر دیا گیا، جس میں مسلک اہل سنت و مذہب حنفی کے اثبات و تائید اور مخالفین اہل سنت خصوصاً انجمن "ندوۃ العلما" کی تردید و اصلاح کے مضامین شائع ہونے لگے۔ ۱۸۹۶ء میں یہ جھوٹی خبر پھیل گئی کہ جناب حضور نے علمائے ندوہ کو اپنے یہاں تقریر کی دعوت دی ہے اور یہ حضرات بہار شریف جا رہے ہیں۔ اس جھوٹی خبر کی خبر جناب حضور تک پہنچی تو آپ نے فوراً پٹنہ قاضی عبد الوحید کے نام یہ مکتوب روانہ فرمایا:

مکتوب جناب حضور (۱): عزیز دل و جانم! سلمہ!! بعد دعا کے واضح ہو، حافظ عبد الغفور صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ حقانی صاحب وغیرہ (ارکان ندوہ) بطلب میرے بہار (شریف) آئیں گے۔ بالفرض اگر وہ لوگ بہار (شریف) آئیں بھی تو ان کو میرے یہاں اترنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، لیکن علمائے بریلی کو بطوع خاطر اپنے یہاں اتاریں گے اور جو کچھ نان و نمک ہو گا حاضر کریں گے۔ مخالفین ندوہ کے اعتراضات و جوابات میرے یہاں آ گئے، میرے تشفی بخش نہ ہوئے۔ اب میں ہمہ تن مخالف ندوہ ہوں۔ مجھ کو مخالفین ندوہ کے اعتراضات پسند آئے۔

امین احمد فردوسی عفی عنہ مرقومہ ۲۴/ دسمبر ۱۸۹۶ء (۸)

جناب حضور خسرو پور (نو آبادہ) پٹنہ تشریف لے گئے تو بعض ارباب "ندوۃ العلما" بھی وہاں پہنچے اور غلط خبریں مشہور ہوئیں۔ اس پر آپ نے قاضی صاحب کے نام دوسرا مکتوب ارسال فرمایا:

مکتوب (۲)۔ عزیز دل و جانم! سلمہ اللہ تعالیٰ!! بعد دعا مطالعہ باد۔ یہ سب خبریں محض غلط ہیں۔ ہم نے ہرگز نہیں بمواجہ میر واجد حسین صاحب و مولوی امانت اللہ صاحب و مولوی امانت اللہ صاحب موافقت ظاہر کی۔ ہم سے یا مولوی امانت اللہ صاحب سے مخالفت یا موافقت کے بارے میں کوئی تذکرہ نہیں آیا تھا۔ البتہ مولوی سلیمان صاحب سے چند باتیں ندوہ کے بارے میں ہوئی تھیں۔ اس وقت بھی ہم نے موافقت نہیں کی تھی، بلکہ کئی اعتراض کئے تھے۔ اس کا کیا جواب تھا؟ جو اعتراض ہم کرتے تھے مولوی امانت اللہ صاحب یہی کہتے تھے کہ اچھا ہم نکال دیتے ہیں۔ ہم خاموش رہے۔ مولوی امنت اللہ صاحب سے دریافت کیجئے کہ وہ صفائی میں کس قدر کوشاں ہوئے؟ لیکن مبرّا نہیں ہو پایا۔ آپ نے ان لوگوں سے یہ کیوں نہیں کہا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو آپ میرے ساتھ چلیے، ہم روبرو مقابلہ کرا دیتے ہیں۔ اور اگر آپ سچے ہیں تو آپ ہمیں بہار (شریف) لے چلیے، اس کی صداقت فوراً ہو جائے گی۔ خیر... بہت مطمئن رہیے۔ میں بے شک مخالف ندوہ ہوں۔ جس کو شک ہو، آئے اور پوچھ جائے۔ کہیے میر واجد حسین صاحب کا اب کیا حال ہے؟ مطلع کیجیے۔ علمائے بریلی جب تشریف لائیں، آپ سبھوں کو بہار (شریف) لائیے، ہمیں بدل منظور ہے۔

امین احمد فردوسی عفی عنہ مرقومہ ۴/ جنوری ۱۸۹۷ء (۹)

چند دنوں کے بعد انجمن "ندوہ" کا وفد بہار شریف گیا تو کچھ لوگوں نے پٹنہ میں پھر یہ افواہ پھیلائی کہ علمائے "ندوہ" نے خانقاہ میں تقریریں کیں اور عوام و خواص یہاں تک کہ جناب حضور کو بھی اپنا ہم خیال و گرویدہ بنا لیا۔ اس کی اطلاع جناب حضور کو ہوئی تو آپ نے قاضی صاحب کے نام تیسرا مکتوب ارسال فرمایا:

مکتوب (۳)۔ عزیز دل و جانم! سلمہ اللہ تعالیٰ!! بعد دعا مطالعہ نماید۔ ندوی بہار (شریف) آئے محلّہ میرداد مولوی نصیر صاحب کے مکان میں اترے، وعظ وغیرہ ہوئے، بفضلہ تعالیٰ ہم اور ہمارے لواحقین شریک نہ ہوئے۔ مولوی امیر صاحب صدر انجمن کے ہوئے۔ مولوی نصیر صاحب نائب صدر انجمن ہوئے۔ ازاں قبیل مولوی نثار علی وغیرہ۔ یہاں بھی مناظرہ پر وہ لوگ راضی نہیں ہوئے۔ جناب مولوی عبد القادر صاحب کا تار آ گیا کہ اگر وہ لوگ مناظرہ پر راضی ہوں تو ہم آ سکتے

(۷)- عروۃ الوثقیٰ صفحہ ۱۵ تا ۱۹

(۸)- مکتوبات مشائخ و علما مرتبہ مولانا عبد الوحید فردوسی

(۹)- مکتوبات مشائخ و علما۔

ہیں۔ تاران لوگوں کو سنادیا گیا وہ لوگ راضی نہیں ہوئے۔ ذرا اس کو تو لکھئے کہ وہاں کیا کیا خبریں غلط مشہور ہوئی ہیں؟ یہاں ہم لوگ بھی بہت کوشش میں ہیں۔ اللہ کامیاب فرمائے۔ امین فردوسی

مرقومہ ۱۸؍ جنوری ۱۸۹۷ء (۱۰)

مدرسہ حنفیہ کا قیام: جلسہ وجلوس سے مخصوص خطہ کے لوگ ہی مستفید ہو پاتے تھے اور کتب ورسائل سے صرف تعلیم یافتہ حضرات مستنیر ہو رہے تھے اس لیے ایک ایسے ادارے کی شدید ضرورت محسوس کی گئی، جس کے فیضان میں ہمہ جہتی ہو۔ حضرت مولانا قاضی عبدالوحید کے والد ماجد قاضی عبدالحمید نے اس کے لیے بخشی محلے کا اپنا قدیم موروثی مکان وقف کیا۔ جناب حضور نے سرپرستی قبول فرمائی اور ربیع الاول ۱۳۱۸ھ کو "مدرسہ ابر کرم اہل سنت" کے تاریخی اور "مدرسہ حنفیہ" کے عرفی نام سے اس ادارے کا وجود عمل میں آیا۔ قاضی صاحب نے خاص اپنے صرفہ سے نئے نقشہ کے مطابق اس کی جدید تعمیر کی۔ جناب حضور کے منشا و منظوری سے درجات ابتدائیہ، حفظ وتجوید اور فارسی کے علاوہ خاص خاص عربی درجوں کے لیے فن وار کتابوں کا نصاب مقرر ہوا، جس میں امام احمد رضا کی کئی کتابیں رکھی گئیں۔

اساتذہ مدرسہ حنفیہ: منشی علی حسن عظیم آبادی، حافظ وقاری جواد، مولانا محمد نجم الدین داناپوری، مولانا معزاللہ، مولانا عبدالحی بدایونی، مولانا فضل حق پیلی بھیت مولانا عبدالباری، مولانا حکیم عبداللہ، مولانا حافظ حکیم سید فضل حق، مولانا حافظ ضیاء الدین پیلی بھیت اور حضرت مولانا وصی احمد محدّث سورتی۔

افتتاح مدرسہ کے وقت پٹنہ اور اس کے اطراف میں شدید طاعون کا مرض پھیلا ہوا تھا، جس کی وجہ سے ملک کے مشہور علما مدعو نہیں کئے جاسکے تھے۔ اس لیے چند مہینے کے بعد امتحان کی تجویز ہوئی اور ایک عظیم الشان کانفرنس کرناطے پایا۔ امتحان اور کانفرنس کے لیے ملک کے نامور مشائخ وعلما مدعو کیے گئے اور تیاریوں کے لیے متعدّد کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔

منصرمین آرائش: شاہ محمد حسین، حاجی سید شاہ لطف الرحمٰن رئیس کاکو، سید شاہ عزیز الرحمٰن کاکو، سید محمد انوار کریم رئیس جانپور وغیرہ۔

منتظمین طعام: شیخ چندو کاکوی منشی ابوالحسن کاکوی، سید امین الدین جرٹھوی، سید نصیر الدین جرٹھوی، ملک شرف الدین احمد بہاری، شیخ تاج الدین، شیخ زائر حسین کٹونوی وغیرہ

استقبالیہ: مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی منشی فصیح احمد رئیس پٹنہ، جناب قاضی عبدالمجید رئیس باڑھ، شاہ محمد یعقوب رئیس فتوحہ، شاہ درگاہی خلف صاحب سجادہ رائے پور، میر محمد حسین رئیس پٹنہ، شاہ آل حسن رئیس فتوحہ، حافظ حکیم محمد اسحاق پٹنہ، منشی علی حسن پٹنہ، شیخ تفضّل حسین عرف فجا، حکیم پیارے مرزا، شیخ امیر علی، طلبائے مدرسہ حنفیہ۔

خاطر مدارات: قاضی عبدالحمید، قاضی عبدالعزیز، شاہ محمد حسین جرٹھوی، مولوی عبدالشکور کرائے پر سرائے، شیخ طہارت حسین رئیس پٹنہ مع صاحبزادگان، منشی چراغ علی، شاہ احمد حسین رئیس جرٹھوی، بشیر میاں بتولوی، میر کلیم چوک شکارپور پٹنہ، شیخ محبوب خان، مولوی عبدالباری جرٹھوی، مولوی غیاث الدین بہاری، منشی عبدالرحیم نتولی، شیخ انیس الحق، محمد یعقوب وغیرہ۔

امتحان اور کانفرنس کے لیے ۷؍ تا ۱۳؍ رجب ۱۳۱۸ھ مطابق ۱؍ تا ۷؍ نومبر ۱۹۰۰ء کی تاریخیں مقرر ہوئیں اور یہ اشتہار شائع کیا گیا:

مدرسہ اہل سنت پٹنہ کا مقدس جلسہ: الحمدللہ کہ ہمارے شہر پٹنہ میں بہ سرپرستی حضرت عظیم البرکت والا درجت جناب مولانا شاہ امین احمد صاحب سجّادۂ بہار شریف مدرسہ اہل سنت قائم ہے، جس کے جلسۂ افتتاحی میں حضرات علمائے کرام دیگر بلاد کو بوجہ مرض طاعون تکلیف شرکت جلسہ نہ دی جاسکی۔ اب کہ اس کے امتحان ششماہی کا وقت آگیا، لہٰذا حضرات علمائے کرام ومشائخ عظام ورؤساو تمام برادران اہل سنت کے معزز خدمات میں گذارش ہے کہ اس کے مبارک جلسے ساتویں ماہِ رجب یوم پنجشنبہ مطابق یک نومبر سے تیرہویں رجب، ساتویں نومبر تک ہوں گے۔ امید کہ براہ ہمدردی مذہبی آپ حضرات تاریخ معیّنہ سے ایک روز قبل تشریف فرما ہو کر اراکین مجلس کو ممنون ومشکور فرمائیں۔

الداعی: خادم اہل سنت محمد عبدالوحید حنفی الفردوسی
مہتمم مدرسہ اہل سنت تحفۂ حنفیہ پٹنہ محلہ لودی کٹرہ
(بمنظوری اراکین مدرسہ اہل سنت پٹنہ)

شریک اجلاس بعض علما ومشائخ: حضرت مولانا سید شاہ اسماعیل حسن، خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف، حضرت امام احمد رضا، بریلی شریف، حضرت مولانا اعجاز حسین برادر حقیقی حضرت مولانا شاہ ارشاد حسین رامپوری، حضرت مولانا امانت اللہ خاں تلمیذ حضرت مولانا ارشاد حسین رامپوری، حضرت مولانا امیر احمد بریلوی، حضرت مولانا امام الدین اٹالوی، حضرت مولانا ارشد علی تلمیذ حضرت مولانا شاہ ارشاد حسین رامپوری، حضرت مولانا امیر اللہ مارہرہ شریف، حضرت مولانا سید ابوالبقا

(۱۰)- مکتوبات مشائخ علماء

سکندر پور بلیا،حضرت مولانا سید محمد اعظم شاہ مصنف اکمل النشور تلمیذ مولانا فرنگی محلی، حضرت مولانا سید احمد ولایتی، حضرت مولانا شاہ اجمل الہ آبادی، حضرت مولانا شاہ احمد علی مرزاپوری، حضرت مولانا محمد بشارت کریم صاحب گنج گیا، حضرت مولانا قاری بشیر الدین جبل پوری، حضرت مولانا سید شاہ محمد بشیر زیب سجادہ خانقاہ اجملیہ الہ آباد، حضرت مولانا حافظ بخش، حضرت مولانا حامد رضاخاں بریلوی، حضرت مولانا حفیظ الدین پورنوی ، حضرت مولانا خلیل الرحمٰن خاں خلیفہ حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادابادی حضرت مولانا خیرات حسین خلیفہ حضرت صاحب سجادہ بہار شریف ، حضرت مولانا مفتی محمد رمضان اکبرآبادی ، حضرت مولانا ریاست حسین خاں الہ آبادی ،حضرت مولانا سراج الدین صاحب فضل رحمانی آنولہ ، حضرت مولانا محمد سعید صاحبزادۂ زیب سجادہ بہار شریف ، حضرت مولانا سجّاد کانپوری، حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری، حضرت مولانا ظہور الحسن تلمیذ حضرت مولانا ارشاد حسین و حضرت مولانا عبد الحق صاحبان مدرسہ عالیہ رامپور ، تاج الفحول حضرت مولانا عبد القادر بدایونی، حضرت مولانا محمد عبد الکافی الہ آبادی، حضرت مولانا عبد القیوم بدایونی ، حافظ بخاری حضرت مولانا سید عبد الصمد سہسوانی، حضرت مولانا عبد المجید بدایونی ،حضرت مولانا عبد المقتدر بدایونی،حضرت مولانا عبد اللطیف سورتی تلمیذ مولانا عبد الحی ، حضرت مولانا عبد اللہ عرب بصری ، حضرت مولانا عبد الغفار خاں رامپوری ، حضرت مولانا عبد الغفار بریلوی، حضرت مولانا عبد الحمید آنولوی،حضرت مولانا عبد السلام جبل پوری، حضرت مولانا عبد الواحد بہار شریف ، حضرت مولانا عبد الرحیم ہروی ،حضرت مولانا غلام مظفر بلخی زیب سجادہ رائے پور ، حضرت مولانا محمد فاخر الہ آبادی حضرت مولانا سید فضل حسین فردوسی بہاری ، حضرت مولانا سیف فقیر عالم مارہرہ شریف ،حضرت مولانا فضل المجید بدایونی، حضرت مولانا قمر الدین ولایتی، حضرت مولانا کریم رضا بیتھوی تلمیذ حضرت مولانا عبد الحق خیر آبادی، حضرت مولانا سید شاہ محمد حسن صاحبزادۂ شاہ اکبر الہ آبادی ،حضرت مولانا مسیح الدین الہ آبادی ، حضرت مولانا شاہ محی الدین خلف حضرت مولانا شاہ بدر الدین زیب سجادہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف ، حضرت مولانا حکیم منظور احمد بیتھوی ، حضرت مولانا نبی بخش بہاری ، حضرت مولانا ولی احمد بہاری، حضرت مولانا وسیم احمد مجددی ، حضرت مولانا شاہ وحید الدین احمد فردوسی بہاری ، حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں جونپوری وغیرہ وغیرہ۔

مقامی علما و مشائخ میں یہ حضرات دل وجان سے شریک اور ہر کام میں ممد و معاون رہے۔

حضرت خواجہ سید شاہ امجد حسین زیب سجادہ حضرت شاہ فرہاد تکیہ شریف ، حضرت مولانا سید شاہ امین احمد جڑہوہ ، حضرت مولانا سید شاہ محمد عبد القادر زیب سجادہ خانقاہ اسلام پور ، حضرت مولانا سید شاہ عز الدین قمری ابو العلائی سجادہ نشین خانقاہ حضرت منعم پاک ، حضرت سید شاہ محمد حسین قادری فضل رحمانی صاحب سجادہ جڑہوہ ، حضرت مولانا سید شاہ شہود الحق فخری اصدقی صاحب سجادہ جموانواں ، حضرت مولانا سید شاہ نصیر الحق زیب سجادہ شیخ پورہ، حضرت مولانا سید شاہ غلام مظفر حسین فتوحہ ، حضرت مولانا سید شاہ غلام حسین بہاری ، حضرت مولانا سید غلام شرف الدین عرف شاہ درگاہی خلیفہ صاحب سجادہ فتوحہ ، حضرت مولانا سید ابراہیم ہیڈ مولوی پٹنہ کالج، مولوی حسین بخش، مولوی سید سیف الدین بلخی ، مولانا سید محمد عبد الشکور عرشی کرئے پرسرائے، مولوی سید عمر کریم ، مولانا عبد الباری جڑہوہ، مولوی غیاث الدین ، مولانا حافظ فخر الدین مدرسہ محمدی جان وغیرہ

امتحان طلبہ: حضرت مولانا ہدایت اللہ خان جونپوری ، حضرت مولانا عبد الکافی الہ آبادی اور حضرت مولانا ابو البقا سکندر پوری نے طلبہ کے امتحانات لیے اور اچھی کارکردگی پر اطمینان اور مسرتوں کا اظہار فرمایا۔

صدارت: اس کے بعد تمام علما و مشائخ نے کانفرنس کے تمام اجلاس کی صدارت کے لیے متفقہ طور پر جانشینِ مخدوم جہاں جناب حضور شاہ امین احمد فردوسی زیب سجادہ خانقاہِ معظم بہار شریف ہی کے نام کی تجویز کی ، تو آپ نے پیرانہ سالی اور ضعف کے باوجود محض دین کی تائید اور حق کی حمایت کی خاطر اسے منظور فرما کر مسند صدارت کو زینت بخشی۔

مقررین: جن حضرات علمائے کرام نے خطاب فرمایا ان میں سے درج ذیل اکابر علما کی تقریریں یا ان کے خلاصے قلم بند کیے جا سکے۔

حضرت مولانا عبد السلام جبل پوری، حضرت مولانا ظہور الحسن رام پوری ، مولانا اعجاز حسین رام پوری، تاج الفحول حضرت مولانا عبد القادر بدایونی ، حضرت مولانا عبد المقتدر بدایونی ، حضرت مولانا سید محمد اعظم شاہ شاہجہاں پوری، حضرت مولانا سید ابو البقا سکندر پوری ، حضرت امام احمد رضا بریلوی ،حافظ بخاری حضرت مولانا سید عبد الصمد سہسوانی ، حضرت مولانا مفتی محمد رمضان آگرہ ، حضرت مولانا سراج الدین، حضرت مولانا احمد علی مرزاپوری، حضرت مولانا سید شاہ فاخر الہ آبادی ، حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری۔ (۱۱)

خلاصۂ تقاریر: تمام مقررین نے قرآن واحادیث، ائمہ وفقہا کے

(۱۱)- روداد مدرسہ حنفیہ ۱۳۱۹ھ

ارشادات اور مشائخ وصوفیا کے فرمودات کی روشنی میں دین کے ضروری وبنیادی عقائد بیان کئے۔ ضروریات اہلِ سنت کی تفصیل پیش کی اور واضح کیا کہ اہل سنت کے علاوہ جتنے فرقے ہیں، سب کے کچھ نہ کچھ عقائد حدیث پاک تفترق امتی علی ثلاثۃ وسبعین ملۃ کلھم فی النار الاملۃ واحدۃ (میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے، ایک فرقہ جنتی ہوگا اور باقی سب فرقے جہنمی ہوں گے) کے مطابق گمرہی پر مشتمل اور جہنم تک پہونچانے والے ہیں۔ انجمن "ندوہ" جو مختلف فرقوں کا مجموعہ مرکب ہے، اس کے فلاں فلاں عقائد جو انجمن کی مطبوعہ تحریروں اور تقریروں میں موجود ہیں، اسلام اور اہل سنت کے خلاف ہیں۔ علمائے اہل سنت بالخصوص مجدد اسلام حضرت امام احمد رضا بریلوی، تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی اور حضرت مولانا قاضی عبد الوحید فردوسی مرید خاص جناب حضور زیب سجادہ مخدوم جہاں نے بار بار ارکان ندوہ سے نہایت ہی مخلصانہ وعاجزانہ گذارش کر کے اصلاح کی پیہم کوششیں کیں، مگر افسوس کہ ان حضرات نے کبھی کبھار سما وعدے تو کئے، مگر عملاً ایک بار بھی کوئی اصلاح قبول نہیں کی۔ اس لیے مجبوراً اس سلسلہ میں حکم شرع ظاہر کرنا اور قوم کو ان کی خلاف شرع گمراہ کن باتوں سے آگاہ کرنا پڑا اور پڑ رہا ہے۔ شروع میں بہت سے اکابر علما و مشائخ جو انجمن " ندوہ " کی حقیقت سے واقف نہیں تھے وہ اس میں شریک ہوئے۔ مگر جب حقیقت منکشف ہوگئی تو اس سے علاحدہ بھی ہوگئے جیسے حضرت مولانا شاہ بدرالدین صاحب سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، حضرت مولانا شاہ محمد حسین سجادہ نشیں الہ آباد، حضرت مولانا شاہ التفات احمد سجادہ نشین رودولی شریف، حضرت مولانا شاہ محمد عبدالوہاب سجادہ نشین فرنگی محل لکھنؤ وغیرہ۔ اور حضرت مولانا احمد حسین کانپوری تو نہ صرف علاحدہ ہو کر دوسرے حضرات کی طرح انجمن "ندوہ" کے خلاف اہلِ سنّت ہونے پر دستخط کی، بلکہ ناظم انجمن مولانا محمد علی مونگیری کے روبرو یہ کہہ کر اٹھے کہ:

یہ جتنی جماعتیں انجمن میں جمع ہیں سب جہنّم میں جائیں گی اور ان کے آگے میں اور تم۔ یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہم، تم میں پہلے کون جائے گا؟ اب کبھی مجھے اس میں نہ بلانا۔ (۱۲)

اختتام: مقررین نے حضرت مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی کی کوششوں کو سراہا اور ستائش کی۔ جناب حضور کی نہ صرف شرکت بلکہ علم وعمل ہر دو اعتبار سے انجمن " ندوہ" کی اصلاح کے لیے ہر ممکن کوشش، ارکان انجمن کے اصلاح قبول نہ کرنے پر اس کی مخالفت؛ اور پیرانہ سالی و ضعف کے باوجود، شروع سے اخیر تک تمام اجلاس کی صدارت فرمانے کو حق کی نشانی اور انجمن ندوہ کے بطلان کی واضح علامت قرار دیا۔ حضرت امام احمد رضا بریلوی کو ان کی ہمہ جہت دینی وعلمی خدمات کے صلہ میں "چودہویں صدی کے مجدد" کا خطاب سے نوازا۔ (۱۳) قاضی صاحب نے تمام حاضرین اہل سنت کا شکریہ ادا کیا اور علما و مشائخ کی خدمتوں میں نام بنام تہنیت نامہ مرقومہ امام احمد رضا بنام "آمال الابرار" پیش کیا، جس میں خاص جناب حضور کے تعلق سے اشعار یہ ہیں:

بقیۃ الاولیا امین احمد　　امین احمد امن حمود
شمائلہ تذکرنا الصحابۃ　　سحائبہ علی کل تجود (۱۴)

(ترجمہ) بقیۃ الاولیا حضرت شاہ امین احمد، وہ امانت دار ہیں جن کی تعریف بہت زیادہ کی گئی ہے۔ نہیں، وہ خود امان اور سراپا تعریف ہیں۔ ان کی خصلتیں ہمیں صحابۂ کرام کی یاد دلاتی ہیں، ان کے بادل سب پر فیض رساں ہیں۔

نتیجہ: جناب حضور کی سرپرستی میں اس کامیاب کانفرنس کے بعد جن لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے حق قبول کرنے کی صلاحیت رکھی تھی وہ انجمن "ندوہ" سے علاحدہ ہو ہو کر آپ کی تحریک میں شامل ہوتے گئے۔ اس طرح اس تحریک کو دن بہ دن فروغ ملنے لگا۔ مضافات واطراف میں بھی اس کے جلسے ہونے لگے، "تحفۂ حنفیہ" بھی برابر جاری رہا اور "مدرسہ حنفیہ" بھی ترقی کرتا گیا۔ یہاں تک کہ اس کوکھ سے ڈاکٹر مختارالدین آرزو، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے والد ماجد ملک العلما مولانا ظفرالدین بہاری سابق پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ جیسے کتنے ہی فاضلین روزگار نکلے، مگر مشیئت الٰہی کہ:

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد　　روئے گل سیر ندیدم وبہار آخر شد

۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۲ء کو مخدوم جہاں کے حقیقی جانشین

ع: در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق

کے سچّے مصداق، تصلّب فی الدین کے کوہِ گراں، لاکھوں مسلمانوں کے رہنما ومربّی، "ماہنامہ حنفیہ" و "مدرسہ ابرکرم" کے سرپرست، غیر منقسم بہار میں "تحریک مصلحین ندوہ" کی جان، امام احمد رضا کے دینی جذبات کے صحیح قدر دان ومعترف اور ان کی ہمہ گیر خدمات کے حامی ومددگار............ **(باقی، ص:۵۰ پر)**

(۱۲)۔ دربار حق وہدایت: روداد کانفرنس اہل سنت ۱۳۱۸ھ پٹنہ

(۱۳)۔ الف: دربار حق وہدایت/ب: مخزن تحقیق ۱۳۲۰ھ صفحہ ۱۸،۱۷

(۱۴)۔ آمال الابرار

فکر و نظر

مرکز کا اصلی حکمراں کون؟

بی.جے.پی.—— یا —— آر.ایس.ایس.

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اَور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

جنوری ۲۰۱۶ء کا عنوان	عصری بے راہروی کا سدِباب: تعلیمات غوثِ اعظم کی روشنی میں
فروری ۲۰۱۶ء کا عنوان	عالمی دہشت گردوں کو اسلحہ کی فراہمی - کیوں اور کیسے؟

حکومت بی. جے. پی. کی اور ایجنڈا آر. ایس. ایس. کا

مولانا محمد عرفان قادری، استاذ مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن، شاہی مسجد، بڑا چاند گنج، لکھنؤ

بی جے پی آر ایس ایس ہی کی تشکیل کردہ سیاسی جماعت ہے۔ اصولی طور پر آر ایس ایس اور بی جے پی کے نظریات میں کوئی فرق نہیں صرف دونوں کے نام الگ ہیں۔ آر ایس ایس ہندو دھرم کی تبلیغ و تحفظ کو یقینی بناتا ہے اور بی جے پی سیاسی گلیاروں سے آر ایس ایس کو تقویت پہونچاتی ہے۔ ملک کے موجودہ وزیر اعظم اور اس پارٹی کے اکثر رہنما آر ایس ایس کے تربیت یافتہ ہیں۔ گزشتہ پارلیمانی انتخابات میں مودی کو وزیر اعظم کے عہدہ کے لیے آر ایس ایس نے ہی منتخب کیا تھا۔ یہ آر ایس ایس کی حکمت عملی کا ہی حصہ تھی کہ اس بات کا برملا اعلان کیا گیا کہ رائے دہندگان بی جے پی کو نہیں مودی کو ووٹ دے رہے ہیں۔ "اب کی بار مودی سرکار" کا نعرہ لگا کر جس طرح مودی کا نام لیا گیا اس کا صاف مطلب تھا کہ مودی آر ایس ایس کے ایجنڈہ کو ہی پورا کریں گے خواہ اس کے لیے دستور کو بدلنا پڑے یا اس میں کمزور طبقات واقلیتوں کے لیے شامل حقوق کی دفعات کو کمزور کرنا پڑے۔ آر ایس ایس نے مسلمانوں کو ہمیشہ ملک مخالف اور اسلام مذہب کے سبب ہمیشہ باہری سمجھا۔ آر ایس ایس کا تصور ہے کہ مسلمان کبھی محب وطن نہیں ہو سکتا اس لیے مسلمانوں کے خلاف نفرت کا ماحول پیدا کرنا اور ان کے حقوق کو پامال کرنا آر ایس ایس کے ایجنڈہ کا حصہ ہے۔ ۲۰۰۲ء میں گجرات سانحہ کی وجہ سے مودی کو مسلمانوں کے خلاف سب سے مضبوط لیڈر تصور کیا گیا۔ آر ایس ایس کی آئیڈیالوجی کام آئی اور بھاجپا نے گمراہ کن وعدہ کرکے اقتدار کو حاصل کر لیا۔ ۲۶؍ مئی ۲۰۱۴ء کو نریندر مودی ہندوستان کے وزیر اعظم بنے۔ زمام اقتدار سنبھالنے کے بعد وزیر اعظم عوام سے کئے گئے وعدوں کو بھول گئے البتہ فرقہ پرستوں کو کھلی چھوٹ مل گئی۔ انتخابات کے دوران سیاسی تجزیہ نگاروں نے جن خدشات کا اظہار کیا تھا کہ "ملک کا دستور جو ہر شہری کو مکمل آزادی دیتا ہے اور مسلمانوں، دلتوں و دیگر کمزور طبقات کو جو موجودہ حقوق اس ملک کے دستور نے دیا ہے مرکز میں اگر فرقہ پرستوں کی حکومت قائم ہو گئی تو اسے پامال کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی" وہ اب بالکل سچ ثابت ہو رہا ہے۔ آر ایس ایس اور اس کی ہمنوا تنظیمیں مسلمانوں کے خلاف مختلف شکلوں میں ایک مہم چھیڑ رکھی ہیں۔ مدارس میں دہشت گردی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مسلمان اس ملک کے وفادار نہیں ہیں۔ مسلمانوں سے ووٹ دینے کا حق چھین لو۔ اس ملک میں رہنا ہے تو مسلمان گائے کا گوشت کھانا بند کر دیں۔ اس قسم کے نہ جانے کتنے اشتعال انگیز بیانات بی جے پی کے وزراء اور ممبران پارلیمنٹ کی جانب سے سامنے آ چکے ہیں لیکن حکومت بولنے والوں پر کوئی پابندی نہیں لگاتی۔ فرقہ پرستوں نے سماج میں اس قدر نفرت کا ماحول پیدا کیا کہ قتل و غارت گری کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ۲۸؍ ستمبر کو دادری میں محض افواہ کی بنیاد پر گائے کا گوشت رکھنے کے جھوٹے الزام میں محمد اخلاق نامی بوڑھے شخص کو پیٹ پیٹ کر مار ڈالا گیا۔ گائے اور بھینس ایک جگہ سے دوسری جگہ خرید و فروخت کے لیے ٹرکوں سے ہی بھیجی جاتیں ہیں لیکن بھاجپا کی حکومت آنے کے بعد جانوروں کی نقل وحمل ایک انتہائی پر خطر مہم میں تبدیل ہو چکا ہے۔ دادری کے واقعہ سے پہلے ملک کے مختلف علاقوں میں بڑے جانوروں کے ٹرک لے جانے والوں پر حملے اور جانوروں کو لوٹنے کے درجنوں بڑے واقعات ہو چکے ہیں اور کئی مسلمانوں کو

گائے کا اسمگلر بتاکر موت کے گھاٹ اتار اجاچکا ہے۔ملک میں ایک عرصے سے شاکاہاری کے نام پر گوشت خوری کے خلاف ایک انتہا پسند مذہبی تحریک چل رہی ہے۔سخت گیر ہندو تنظیمیں گوشت خوری کے خلاف مذہبی نفرت کا جذبہ پیدا کرنے میں لگی ہوئی ہیں۔جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہندو گوشت کھاتے ہیں۔ہندوں کے بعض طبقے بیف بھی شوق سے کھاتے ہیں۔پھر آخر بڑے جانوروں کی ذبیحہ پر حکومت کیوں پابندی عائد کرتی ہے ؟گو رکشا کے نام پر مسلمانوں کا خون کیوں بہایا جارہا ہے؟در اصل گائے آر ایس ایس کا ایک آزمودہ فارمولا ہے۔مسلمانوں کی نسل کشی اور انہیں محکوم بنانے کی آر ایس ایس کی دیرینہ خواہش کی تکمیل گائے کے ذریعہ ہی ہوسکتی ہے اسی لیے گائے پر اتنا واویلا مچایا جاتا ہے۔

ہندوستان کو ہندو راشٹر بنانے کی آرایس ایس کی پلاننگ بہت پرانی ہے۔سنگھ پریوار پورے ملک پر ہندوتو نظریات کو زبردستی تھوپنا چاہتا ہے۔آر ایس ایس کے لوگ وندے ماترم،یوگا اور سوریہ نمسکار جو برہمنی تہذیب کا حصہ ہیں انھیں تعلیمی نصاب کا لازمی جز قرار دینے کے درپے ہیں۔یہی نہیں بلکہ گیتا اور رامائن کو بھی مدرسوں اور اسکولوں میں پڑھائے جانے کی تجویز رکھی جاچکی ہے۔آر ایس ایس کی مداخلت سے سرکاری نصاب تعلیم میں زہریلا مواد بہت پہلے شامل ہوچکا ہے۔سنگھ پریوار مسلمانوں کی بڑھتی آبادی پر بھی اپنی فکر مندی ظاہر کرتا رہتا ہے اور مسلمانوں کو خاندانی منصوبہ بندی کا پابند بنانے کے لیے حکومت پر دباؤ بناتا ہے۔اجودھیا میں رام مندر کی تعمیر سے بھاجپا نے تو یہ کہ کر کنارہ کشی اختیار کرلی کہ پارٹی ابھی اس پوزیشن میں نہیں لیکن سنگھ پریوار رام مندر کی تعمیر کے لیے پر عزم ہے۔ملک کی تاریخ سے چھیڑ چھاڑ آر ایس ایس کی فطرت ہے جس کی تازہ ترین مثال یہ ہے کہ دہلی میں اورنگ زیب روڈ کو مرکزی حکومت نے سابق صدر جمہوریہ ڈاکٹر عبدالکلام کے نام سے منسوب کردیا۔ملک کے موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے اس سوال کا جواب بڑی آسانی کے ساتھ تلاش کیا جاسکتا ہے کہ مرکز کا اصل حکمراں کون ہے ؟مختصر لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مرکز میں حکومت بی جے پی کی ہے لیکن کام آر ایس ایس کے ایجنڈہ پر ہورہا ہے۔سنگھ پریوار کی کوشش سے نریندر مودی وزیر اعظم بنے اسی لیے وہ اور ان کی حکومت آر ایس ایس کے خوابوں کو شرمندہ تعبیر کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔تبھی تو بی جے پی کی کامیابی کے بعد اشوک سنگھل کہتے پھر رہے ہیں کہ ہندوستان میں آٹھ سو سال بعد ہندوؤں کی حکومت قائم ہوئی ہے اور ملک کا کھویا ہوا وقار واپس ملا ہے۔بھاجپا کی حکومت کو ابھی ڈیڑھ سال گزرے ہیں لیکن پورے ملک میں خوف و دہشت کا ماحول پایا جاتا ہے۔اس حکومت میں صرف یہی نہیں کہ مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں بلکہ دیگر اقلیتی طبقات کا جینا بھی دوبھر ہوگیا ہے۔ماہ اکتوبر کے آخری عشرہ میں فرید آباد کے ایک دلت کنبہ کو فرقہ پرستوں نے زندہ جلادیا۔این ڈی اے کی حکومت بننے کے بعد ۲۰۱۴ء ہی میں عیسائی فرقہ کے لوگوں کو مارا کاٹا گیا اور ان کی عبادت گاہوں (گرجا گھروں)کو نذر آتش کیا گیا جس کی گونج بیرون ممالک میں سنائی دی۔اس واردات پر ۲۶/ جنوری ۲۰۱۵ء یوم جمہوریہ کے موقع پر امریکی صدر اپنی برہمی کا اظہار کر چکے ہیں۔محمد اخلاق کے علاوہ ممتاز ادیب کلبرگی اور دابھولکر کے قتل سے ہندوستان مزید شرمسار ہوا۔سولہویں لوک سبھا انتخابات میں بھاجپا کی حمایت اس لیے بھی کی گئی تھی کہ یہ پارٹی ملک کو ترقی کی راہ پر لے جائے گی۔کرپشن بدعنوانی اور گھوٹالے کا خاتمہ ہوگا اور ملک میں خوشحالی آئے گی لیکن ڈیڑھ سال کی مدت میں بھاجپا نے عوام کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور نہ صرف یہ کہ ملک میں بدعنوانی کا بول بالا ہوا بلکہ مہنگائی میں بھی کئی گنا اضافہ ہوگیا۔ملک میں عدم رواداری کا احساس اس قدر بڑھ گیا ہے کہ صدر جمہوریہ مسلسل تین مرتبہ اپنی فکر مندی ظاہر کر چکے ہیں۔فرقہ واریت کے خلاف ملک کے ممتاز ادیبوں اور دانشوروں نے احتجاج کا نہایت موئثر طریقہ اپنایا اور قومی سطح پر ملنے والے ایوارڈ لوٹانے کی تحریک شروع کی۔چند ہی دنوں میں یہ تحریک اتنی مقبول ہوئی کہ حکومت کی ناانصافیوں اور غلط پالیسیوں کے خلاف پورے ملک سے آواز اٹھنے لگی۔یکم نومبر ۲۰۱۵ء کو دہلی میں ایک کانفرنس کے ذریعہ ملک کے دانشوروں نے حکومت کو یہ باور کرادیا ہے کہ جمہوری ملک میں اپنی مرضی سے حکومت نہیں چلائی جاسکتی۔مایوسیوں کے اس ماحول میں امید کی یہ ایک کرن ہے ہم سب کو بھی اس تحریک کا حصہ بننے کی ضرورت ہے۔☆☆☆

مرکزی حکومت کا اصل دفتر دہلی میں ہے یا ناگ پور میں ؟

صابر رضا رہبر مصباحی۔ایڈیٹر روزنامہ انقلاب،پٹنہ rahbarmisbahi@gmail.com

آج کل سوشل میڈیا پر ایک لطیفہ کثرت کے ساتھ شیئر کیا جارہا ہے جس میں ایک ٹیچر جنرل نالج کے کلاس میں بچوں سے پوچھتی ہے

’بچوں بتاؤ ہمارے ملک کا پردھان منتری کون ہے ؟‘

کلاس میں موجود بچے یک زبان ہوکر جواب دیتے ہیں

’موہن بھاگوت میم‘!

ٹیچر:’تو پھر نریندر مودی کیا ہیں؟‘

بچے:’ ودیش منتری میم“

یہ محض ایک لطیفہ نہیں ؛ آزادی کے بعد سے پہلی بار ہندوستان کے کسی وزیر اعظم کی ناکامی،ناقص انتظامی اور کسی کے کٹھ پوتلی ہونے کی داستاں ہے۔سینٹرل میں بی جے پی کی حکومت کی تشکیل کے بعد سے وزیر اعظم

نریندر مودی اوران کے وزرا کے جمہوریت مخالف بیانات اور آرایس ایس کی کھلی حکومت میں مداخلت کے بعد یہ سوال بے معنی ہو جاتا ہے کہ ہندوستان کا وزیراعظم کتنا بااختیاراور کتنا کمزور ہے۔ مودی حکومت کی کارکردگی پر آرایس ایس نے متعدّد بار نہ صرف سخت ردِّعمل کا اظہار کیابلکہ واضح لفظوں میں متنبہ بھی کیا یہی نہیں مودی حکومت پر اثر انداز ہونے کے لیے اپنے کئی لیڈروں کوپی ایم او اور دیگر اہم شعبوں میں بیٹھادیاہے جو حکومت کے ہر ایجنڈے پر گہری نظر رکھنے کے علاوہ فیصلہ صادر کرتے ہیں؛انہی کے فیصلے حرف آخر کی شکل اختیار کرتے ہیں۔

آپ کو یاد ہوگا کہ جب مودی حکومت کو اقتدار میں آئے ایک برس ہو گئے تھے اس وقت وزیراعظم نریندر مودی سمیت وزیر داخلہ راج ناتھ سنگھ، وزیر خارجہ ششما سوراج ،وزیر خزانہ ارون جیٹلی ، مرکزی وزیر نتن گڈکری ،وزیر تعلیم اسمرتی ایرانی ، وزیر دفاع منوہر پاریکر ودیگر تمام مرکزی وزرا نے آرایس ایس کے ہیڈ کوارٹر ناگپور میں جاکر اپنی وزارت کی سالانہ رپورٹ پیش کیا تھا،دورنگی میڈیا سے چھن کر آنے والی خبروں کے مطابق آرایس ایس نے ان میں سے کئی وزراء کی کارکردگی پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کڑی پھٹکار بھی لگائی تھی۔ سنگھ نے پی ایم او کے طریقہ کار پر بھی سوال کھڑا کیا تھا۔

ایک جمہوری ملک میں عوام کے ذریعہ منتخب کردہ حکومت کے کابینی وزرا اور خود وزیراعظم کا کسی متنازعہ تنظیم کے متنازعہ سربراہ کے سامنے حکومت کی کارگردگی کی سالانہ رپورٹ پیش نہ صرف جمہوریت کی توہین تھی بلکہ ملک مخالف اقدام بھی تھا لیکن ہر چھوٹی موٹی باتوں پر بحث کی میز سجانے والا میڈیا اتنے بڑے واقعہ کو محض سرسری کوریج کے ساتھ اس طرح نگل گیا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو،اس پر ملک کے انصاف پسندوں کی گونگ زبان نے میری حیرت مزید بڑھا دیا۔

۱۵/اگست کو ہمارے ملک کو انگریزوں کے تسلط سے آزادی ملی اس لیے اس دن کو جشن آزادی کے طور پر منایا جاتا ہے ،اس دن صدر جمہوریت قوم سے خطاب کرتے ہیں ،ان کا بیان سرکاری ٹی وی چینل اور ریڈیو پر نشر ہوتا ہے لیکن ایسا پہلی بار ہوا جب آرایس ایس سربراہ موہن بھاگوت نے دشہرہ کے موقع پر اپنا پیغام پیش کیا اور اسے دور درشن پر نشر کیا گیا۔اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مشہور صحافی اور دانشور ڈاکٹر ویدہ پرتاب ویدک نے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ ”راشٹریہ سوئم سیوک سنگھ کے سربراہ اور صدر کے پیغام میں کیا فرق ہے؟ایک ہندو تنظیم کے صدر اور دوسرے بھارت ملک کے صدر ہیں۔صدر یوم آزادی اور یوم جمہوریہ کے موقع پر پیغام دیتے ہیں اور سنگھ کے سربراہ موہن بھاگوت دشہرے پر پیغام دیتے ہیں، جو کہ اس مرتبہ سنگھ کو قائم ہوئے ۹۱برس ہوئے ہیں اس کا پروگرام تھا۔دونوں کے پیغامات آواز وہی ہوتی ہے، جو سرکار کہنا چاہتی ہے خاص طور سے تب جبکہ سرکار اپنے سوئم سیوکوں کی ہو۔جیسے آپ صدر مملکت سے یہ امید نہیں کرسکتے کہ وہ سرکار پر تنقید کرے، ویسے ہی سنگھ سربراہ سے یہ توقع کیسے رکھ سکتے ہیں کہ وہ اپنے مریدوں کے کان کھینچے؟سنگھ سربراہ موہن بھاگوت نے اس نظریے سے بہت ہی سرکار کو اچھی لگنے والی بات کہہ دی۔بھاگوت نے واضح طور پر کہا کہ ناامیدی کا جیسا ماحول دو سال پہلے تھا، ویسا اب نہیں ہے ’اب ہم فکر میں نہیں ہیں‘ موہن بھاگوت جی کا فکر مند نہ ہونا ہی فکر والی بات ہے۔نریندر مودی فکر میں بالکل بھی نہ ہوں، یہ فطری ہے۔وہ وزیراعظم کی کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔اس کرسی کے آس پاس کوئی عام بندہ پھٹک بھی نہیں سکتا۔بی جے پی کارکنان کے لیے بھی وہ دور کی کوڑی ہی ہے۔بی جے پی کے لیڈر اور وزرا حضرات بھی ذرا خبر دار۔انہیں پہلے سے سنگھ کے سخت اصولوں کی تربیت ملی ہوئی ہے۔صرف سدابہار نوکر شاہوں کی بہار آئی ہوئی ہے۔ان کا پہلا کام ہی وزیراعظم کو ٹینشن فری رکھنا ہے۔وزیراعظم اس لیے ٹینشن فری ہوکر بیرونی ممالک میں بھارت کا نگاڑہ پیٹتے رہتے ہیں اور بھارت میں عوامی جلوس کو خطاب کرتے رہتے ہیں۔

مرکزی کی موجودہ حکومت کا ریموٹ کنٹرول پوری طرح آرایس ایس کے ہاتھوں میں ہے اور اسی کے اشارے پر حکومتی کارندے ناچ رہے ہیں،وزیراعظم کے غیر ملکی دوروں کی سستی تشہیر کے پیچھے آرایس ایس کی گھٹیا کارستانی کا بھنڈا ابھی کئی بار پھوٹ چکا ہے، گاؤکشی، ریزرویشن اور تحویل اراضی بل کے پس پردہ بھی آرایس ایس کے خطرناک منصوبے پوشیدہ ہیں یہ بھی ڈھکی چھپی بات نہیں رہ گئی ہے۔آرایس ایس اور مودی حکومت دونوں کے خطرناک ارادوں کو بر وقت بھانپتے ہوئے ادیبوں نے اپنے سرکاری ایوارڈ لوٹا کر وقتی طور پر اس کا رخ موڑ دیا جب کہ دہلی کے بعد بہار اسمبلی انتخابات میں بی جے پی ہزیمت نے وقت کا دھارا ہی بدل دیا۔یہی وجہ ہے کہ مرکز کے کچھ وزرا بھاگوت اور آرایس ایس لیڈروں کے بیانات پر صفائی دے رہے ہیں تو تو اپنا پلہ جھاڑ رہے ہیں۔

مرکزی حکومت کا اصل دفتر دہلی میں ہے یا ناگپور میں؟اس کا مکمل جواب ہمیں مودی حکومت کے قیام کے مقاصد کی تفہیم میں مضمر ہے،کیوں کہ مودی حکومت کو آرایس ایس نے ہندو توا سمراٹ یا ہندو شاشن سے تعبیر کرتے ہوئے متعدّد بار کہا ہے کہ آٹھ سو سالوں کے بعد ہندوستان میں ہندوؤں کی حکومت آئی ہے۔جب ملک کے وزارت عظمیٰ پر آرایس ایس کا پرچارک براجمان ہو تب یہ کہنا کچھ اٹا پٹا سا لگتا ہے کہ اس نے اپنے صدر دفتر میں اپنا سرکاری دفتر کیوں کر شفٹ کردیا؟ ہاں! ایسے حالات میں ملک کے انصاف پسند شہریوں کا بوجھ بڑھ جاتا ہے اوران کے اوپر دوہری ذمہ داری عائد ہوجاتی ہے کہ وہ ملک کو نہ صرف ٹکرے ٹکرے ہونے سے بچائے بلکہ جمہوریت کی آبیاری کے لیے اپنے لہو کی قربانی بھی پیش کرے ۔اب دیکھنا یہ ہے کہ رام زادوں کی بدمستیوں کے درمیان میں ہندوستان کے جیسے جمہوری ملک کی عظمت کا تحفظ کیسے کیا جاتا ہے۔☆☆☆☆

ظلمتِ شب میں خورشیدِ جہاں تاب

مولانا محمد فروغ القادری

وہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

مجھے یہ جان کر حد درجہ خوشی اور قلبی مسرت ہوئی کہ اصلاحِ فکر وعمل کی عالمی تنظیم سنی دعوتِ اسلامی ممبئی (انڈیا) امسال ۲۰۱۵ء میں اپنی تحریکی، تنظیمی اور دعوتی سرگرمیوں کے پچیس سالہ جشن کا اہتمام کر رہی ہے۔ جس کے لیے ملک وبیرون ملک سے اربابِ علم ودانش مدعو کیے گئے ہیں۔ میں اس عظیم اور بابرکت موقع سے اس تحریک کے موسس وامیر مبلغ اسلام داعی کبیر حضرت مولانا شاکر علی نوری اور ان کے تمام رفقائے کار اور مبلغین کو تہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ حضرت مولانا شاکر نوری، نگہِ بلند، سخنِ دلنواز، جاں پرسوز جیسی صفات سے مرقع پرکشش شخصیت کے مالک ہیں۔ فکرِ رضا کو حرزِ جاں بنانے والا ان کا کردار وعمل ملتِ اسلامیہ کے بے شمار تغافل کیش اربابِ بست وکشاد کا کفارہ ادا کر رہا ہے۔ عصرِ حاضر میں بمبئی عظمیٰ اور اس کے اطراف وجوانب میں فروغِ دین وسنیت کے حوالے سے ان کی سرگرمیاں حد درجہ نمایاں اور مضبوط بنیادوں پر استوار ہیں۔ ماضی قریب میں اس سرزمین پر تحریک ودعوت کی جتنی بہاریں نظر آتی ہیں اس کے پس منظر میں علامہ شاکر علی نوری کی ولولہ انگیز اور ایمان افروز جد وجہد کارفرما ہے۔ نیک سیرت، پاک باطن، شریف النفس، انداز میں محبوبیت، لب ولہجہ میں انکساری، خلوص ومحبت، یہ ایک داعی کے عظیم اوصاف سے ہیں۔ دعوت الی اللہ ایک اسلامی عمل اور دینی فریضہ ہے۔ دعوتی عمل باطل اعتقادات اور فاسد نظریات کے خلاف ایک مثبت کارروائی۔ داعی وہ ہے جو رضائے الٰہی کے لیے ایمان واخلاص کے جذبوں سے سرشار ہو کر اٹھے اور بحر وبر پر چھا جائے۔ دعوت کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ برائیوں کو حکیمانہ تدبیروں سے دور کیا جائے۔ دعوت دراصل تاریکی میں روشنی کا چراغ جلانا ہے تاکہ کشورِ دل انوار الٰہی اور محبت رسول کی لافانی قوت سے آباد ہوجائے اور انسان کی داخلی دنیا میں مثبت افکار وخیالات کی بہار آجائے۔ مجھے یقین ہے کہ علامہ شاکر علی نوری نے اپنی داعیانہ صلاحیتوں کے ذریعہ سے سنی دعوت اسلامی کے آغاز سے ہی مسلک اعلیٰ حضرت اور اشاعت دین وسنت کی ایک ایسی عظیم الشان تحریک کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا ہے جس سے مسلمانانِ ہند میں جہالت وگم راہی کے اندھیرے شعورِ زندہ کی روشنیوں میں قیامت کی صبح تک تبدیل ہوتے رہیں گے اور یہ ان کی دینی، روحانی، تبلیغی، تحریکی اور علمی خدمات تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ جگمگاتی رہیں گی۔

یہی آئینِ قدرت ہے، یہی اسلوبِ فطرت ہے
جو ہے راہِ عمل میں گام زن محبوبِ فطرت ہے

بلاشبہ امیر سنی دعوتِ اسلامی حضرت مولانا شاکر علی نوری زید مجدہ کو تذکیر واصلاح کی اس صحرانوردی میں جن دقت طراز اور دشوار گزار راہوں سے گزرنا ہوا ہوگا، اس کے لیے وہ یقینی طور پر عند اللہ ماجور ہیں۔ ان اربابِ فقر وغنا نے اپنی تحریکی جد وجہد کی طفیل مدت میں حوادثاتِ زمانہ کے مدِ مقابل، فکری ونظری اختلافات کی زد پر جس صبر وشکیب اور ناقابلِ تسخیر دعوت وعزیمت کے ساتھ عشقِ رسالت کا چراغ جلایا ہے، اس کے لیے وہ پورے عالمِ اسلام سے مبارکبادیوں کے مستحق ہیں۔ ایک داعی اپنے دعوتی مرحلے سے گزرتے ہوئے ہر لمحے غیر متوقع حالات سے نبرد آزما ہوتا ہے۔ جاں سوز شدائد منتظر رہتے ہیں، مخالف قوتیں آگے بڑھنے سے روکتی ہیں، تحریک کی پیش قدمی کے ساتھ ساتھ ان کی مزاحمت لازماً شدید تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ حالات کے اس پس منظر میں آج سے پچیس سال پہلے حضرت علامہ شاکر علی نوری اپنے چند جاں نثار اور وفاکیش ساتھیوں کے ساتھ بغیر کسی مادّی طاقت کے اپنے ہاتھوں میں عشقِ رسول اور غلبۂ دینِ مصطفوی کا چراغ لے کر اور برصغیر ہند کے لاکھوں افراد کے دلوں میں نظامِ اسلامی کے نفاذ کو اپنی زندگی کا نصب العین بنانے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں وقف کر دیں۔

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِّ آدم ہے، ضمیرِ کُن فکاں ہے زندگی

اپنے من میں ڈوب کر سراغ زندگی پالینے والے اصحاب غیور ہر دور میں اپنی فکری رفعتوں اور ذہنی وسعتوں کے آفاق کو خود تلاش کرتے ہیں۔ ان کی کامیابی، ان کی منزل مراد کسی غیر کی رہینِ منت نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ ان کی اپنی کاوشوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ آج یہ اسی بے پایاں اخلاص کا ثمرہ ہے کہ ملک وبیرون ملک بین الاقوامی سطح پر ایسے باشعور نوجوانوں کی ایک پوری نسل موجود ہے جو نہ صرف اسلام کو اپنی پوری زندگی کے لیے ایک باضابطہ آئین کرم اور نظامِ عمل سمجھتی ہے۔ بلکہ اسے گرد و پیش کے ماحول پر غالب کرنا چاہتی ہے۔ ساتھ ہی ان کے فکر و نظر کے داخلی انقلاب نے انھیں مروجہ نظام ہائے باطل کے مدّمقابل، بقائے باہمی کے ساتھ سیرت رسول کی روشنی میں اپنے کردار وعمل کی تعمیر میں ہر لمحہ آمادۂ کار رکھا ہے۔

"جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی"

دعوت کے ذریعہ ہی ایک صحت مند معاشرہ متحرک ہوتا ہے، دعوت ہی اسلامی تحریک کا اصل مقصد ہے۔ دعوت کے ذریعہ ہی سے اذہان وقلوب کے پیمانے بدلتے ہیں۔ آج مغربی دانش وروں ، صحافیوں اور جانب دار مصنفین نے اسلام اور مسلمانوں پر طرح طرح کے غیر سنجیدہ الزامات عائد کیے ہیں اور بلاوجہ شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ امریکہ اور یورپ کی دانش گاہوں میں جو طلبہ موجود ہیں ان کے اندر اصلاحی قوانین اور طرزِ حیات کے تعلق سے ایک منصوبہ بند نظریے کے ساتھ ریب وتشکیک کی جو فضا پیدا کی جارہی ہے۔ اس کا ازالہ ہر سطح پر بے حد ضروری ہے، تاہم اس کے لیے ایسے باصلاحیت اصحابِ علم وفضل کی ضرورت ہے جن میں عصری اور زمانی تقاضوں کے مطابق زبان وبیان کے اظہار پر مکمل دسترس حاصل ہو۔ جو مغربی مفکرین کی جانب سے عائد کردہ الزامات کا انھیں کے لب ولہجے میں احسن طریقے سے جواب دے سکیں۔ مگر یہ ایک المیہ ہے کہ ہمارے ہاں قدیم طرز کے خطبا اور مبلغین میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ مغربی ارباب بست وکشاد کے چیلنجز کا علمی سطح پر باضابطہ جواب دے سکیں۔ آج "سنی دعوتِ اسلامی" کو یہ خصوصی اعزاز حاصل ہے کہ اس کے تنظیمی ڈھانچے میں جدید صلاحیتوں سے آراستہ علما، طلبہ، اربابِ قلم اور پروفیشنل نوجوانوں کی ایک ٹیم موجود ہے۔ جو ایک بامقصد اور اصولی دعوت کے جذبے سے سرشار دین وسنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی روشنی میں عصری جامعات اور عوام وخواص تک اسلام کے لازوال پیغامات پہنچانے میں شب و روز مصروفِ عمل ہیں۔ جب کہ اب بھی اس حوالے سے، بہت سارا کام ہونا باقی ہے۔

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا　　آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

میں نہایت ہی اعتذار کے ساتھ یہ کہنا چاہوں گا کہ ہمارے خلاف سب سے بڑی دلیل مستشرقین یورپ کا لٹریچر اور مغرب کے الزامات ہی ہیں، بلکہ خود ہمارا اپنا کردار وعمل، ہمارا طرزِ فکر اور ہمارا باہمی انتشار وافتراق ہے۔ ہم نے کبھی بھی اسلامی دعوت کی اہمیت کو سنجیدگی سے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ ورنہ آج ملک وبیرون ملک بین الاقوامی سطح پر اہل سنت وجماعت کا جو افسوس ناک المیہ ہے وہ نہ ہوتا۔

"سینہ روشن ہو تو ہے سوزِ سخن عینِ حیات"

میں گذشتہ کم وبیش دو دہائیوں سے اہلِ سنت وجماعت کی بین الاقوامی تنظیم ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ سے وابستہ اس کے مرکزی قائدین سماحۃ الاستاذ خطیبِ اعظم سیدی علامہ قمر الزماں اعظمی ادام المولیٰ فضلہ اور مفکر ملت ماہر لسانیات حضرت علامہ شاہد رضا نعیمی زید مجدہ الکریم کے زیر نگرانی یہاں برطانیہ اور یورپ کے دیگر ممالک میں تبلیغ اسلام کے فرائض انجام دے رہا ہوں۔ مجھے اس کا براہِ راست اندازہ ہے کہ خواہ مسلم اکثریت کا علاقہ ہو یا مشرق و مغرب کے وہ ممالک جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں۔ دعوتِ اسلامی کا کام ایک دشوار گزار مرحلہ ہے۔ خاص کر مغرب میں اسلامک مشن کا کام خاصا مشکل ترین امر ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ یورپی تہذیب کا ارتقا اس بنیاد پر ہوا ہے کہ انسان اب ذہنی وفکری طور پر بالغ ہو گیا ہے۔ اور اسے اس بات کی ضرورت اب نہیں رہ گئی کہ وہ انسانی مسائل کے حل کے لیے کسی مافوق الفطری ہدایات کی طرف رجوع کرے۔ اس طرح کا ذہنی الحاد ان دنوں مغرب میں بہت تیزی کے ساتھ پروان چڑھ رہا ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ مغربی تہذیب اور اس کے نظریۂ ارتقا کا اثر ہے کہ جہاں مذہب کی ضرورت انسان کی روز مرہ زندگی میں محسوس نہیں کی جاتی، ساتھ ہی یہاں یورپ میں بعض حالیہ وقوع پذیر ناخوشگوار واقعات کا بھی ردِّ عمل ہے کہ جس کی وجہ سے مغربی اقوام کے لیے مذہب میں بظاہر کوئی کشش نظر نہیں آتی۔ کم و بیش یہی حال مشرق میں آباد مغربی نظریات کے حامل افراد کا ہوتا جارہا ہے۔

اس کے برعکس اسلام کی ابتدا احکامِ خداوندی کے اقرار اور قرآنی ہدایات کے ساتھ ہوئی ہے۔ اب ایسے لرزہ خیز عالم میں اسلامی دعوت کی ذمے داری انفرادی اور اجتماعی طور سطح پر کس قدر بڑھ جاتی ہے، اس سے یقینی طور پر سوادِ اعظم کے اربابِ حل وعقد انکار نہیں کر سکتے۔ ہمارا تعلق چاہے کسی بھی ملک سے ہو، مگر بحیثیت امت یہ بات اپنی جگہ قدرِ مشترک ہے کہ ہمیں اپنی عظمت رفتہ کی بازیابی اور اپنے حقیقی مقاصد کی کامیابی کے لیے سرتاپا جدو جہد کرنا ہوگا۔ اسلام کو اس دورِ جدید میں میڈیائی پروپیگنڈے سے قطع نظر

موثر ترین علمی اور عملی جامہ پہناتے ہوئے جن ناگزیر حالات کا سامنا ہے اس کا باضابطہ حل علمی سطح پر تلاش کیا جانا چاہیے۔ آج دنیا میں اسلام کے غلبے کا حقیقی خواب اسی میں مضمر ہے۔ اور اس کے لیے ہمیں اپنے گوشۂ تنہائی سے باہر نکلنا ہوگا۔ اس کے بغیر دین و ایمان اور تہذیب و معاشرت کا تحفظ ممکن نہیں۔ نئی نسلیں ہماری اپنی کوتاہی فرض کے نتیجے میں ہم سے متنفر ہو رہی ہیں اور مسلمانوں کی بالعموم حیثیت ایک ایسے جزیرے کی ہے جو انتہائی مخالف طوفان کی موجوں کے درمیان گھر گیا ہے، جسے اب امدادِ غیبی اور نصرتِ خداوندی ہی ڈوبنے سے بچا سکتی ہے۔

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا
شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس
جس سے چمن افسردہ ہو وہ بادِ سحر کیا
(اقبال)

نئی نسلوں، خصوصاً نوجوانوں کی دینی، علمی اور اعتقادی اصلاحات کے لیے امیر سنی دعوت اسلامی حضرت علامہ شاکر علی نوری نے جلسے، محافل اور اجتماعات کے علاوہ انگریزی، اردو اور دیگر زبانوں میں کتابوں کی اشاعت کا بھی اہتمام فرمایا ہے جو یقیناً خوش آیند اور امید افزا بات ہے۔ دعا ہے کہ ربِّ قدیر انھیں عمرِ خضر عطا فرمائے اور آفاتِ زمانہ سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ مجھے یقین ہے کہ ان کی مخلصانہ قیادت اور دقت طراز محنتوں کے نتیجے میں سنی دعوتِ اسلامی کو اپنی ارتقائی منازل کی بہت ساری بہاریں ابھی دیکھنی ہیں۔ دین کے خدمت گزاروں کو ان کی خدمات کا صلہ عالمِ غیب سے عطا کیے جاتے ہیں۔

میں اپنے اس اعتراف میں حق بجانب ہوں کہ جہاں بحیثیت امیر سنی دعوتِ اسلامی حضرت مولانا شاکر علی نوری نے اپنی گراں قدر خدمات کے تعلق سے ایک مثالی کردار ادا کیا ہے۔ وہیں خطیبِ اعظم، مفکرِ اسلامی سیدی علامہ قمر الزماں اعظمی صاحب قبلہ سکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ کے ولولہ انگیز خطاب نے بھی سنی دعوت اسلامی سے مربوط ہزاروں نوجوانوں کے دلوں میں عقابی روح پھونک دی۔ خصوصاً وادی نور آزاد میدان بمبئی کے سالانہ اجتماع میں ملک کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے لاکھوں اربابِ اہلِ سنت اپنے محبوب کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے ان میں قدموں میں نگاہوں کا فرش بچھا کر بھی اہتمامِ شوق کی تشنگی محسوس کرتے ہیں۔ اس جذبِ جنون اور شوق فراوانی کے تلاطم میں ان کی خطابت کا سحر آج بھی باقی ہے۔ علامہ اعظمی اپنی پاکیزہ سرشت میں محض کشورِ دل کو زیر و زبر کرنے والے ایک شعلہ بار خطیب ہی نہیں بلکہ وہ باوقار کردار و عمل کے حامل ایک عابدِ شب زندہ دار بھی ہیں۔ امتِ اسلامیہ کے زوال اور اس کی زبوں حالی کے غم میں ان کی برستی آنکھیں کا آبشار اور دردمند دل کا اضطراب ہم نے اکثر دیکھا ہے۔ انھوں نے خطابت کے اصول و نظری مقاصد کے حصول کے لیے امتِ اسلامیہ کے اجتماعی مسائل کو حد درجہ اہمیت دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دورانِ خطابت اپنے متنوع لب و لہجے میں پوری قوم کو اپنی فکری اور عملی صلاحیتوں کو بروے کار لاتے ہوئے اسلامی نظامِ حیات کی تعمیر و تشکیل جدید کے لیے ہر لمحہ، ہر پل کوشاں رہنے کی دعوت دیتے ہیں۔ علامہ اعظمی کی خطابت کا کوئی بھی ایسا مرحلہ میری نظروں سے نہیں گزرا جہاں انھوں نے عالمی پیمانے پر مسلمانوں کے لرزہ خیز مسائل کا تذکرہ شدتِ احساس کے ساتھ نہ کیا ہو۔ انھوں نے شرق و غرب میں پھیلی ہوئی برائیوں کے اسباب کا نہایت ہی قریب سے جائزہ لیا ہے، جہاں وہ جدید معاشرے پر واضح لفظوں میں تنقید فرماتے ہیں، وہیں قوم و ملت کی نوجوان نسلوں کو ایک متبادل خطوط کار، منطقی شعور اور مستقبل کی راہوں میں انسانی عظمت کے تحفظ کے لیے ایک نئی فکری بصیرت بھی عطا فرماتے ہیں۔ مفکرِ اسلام حضرت علامہ اعظمی کی قد آور آواز جب افق کے کناروں سے گونجتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے دشت و جبل میں زندگی کی دھڑکنیں دوڑ گئی ہوں۔ چمنِ دہر میں کلیاں کھل اٹھی ہوں۔ ان کا ہر ہر جملہ انسانی خیال کو ایک ایسے مقام پر پہنچا دیتا ہے جہاں سرور و انبساط کے آبشاروں کا شور سنائی دیتا ہے۔ اور کیف و نشاط کے چشمے ابلتے ہوتے ہیں۔ وجدان ایک لمحے کے لیے بھی کہیں اور متوجہ نہیں ہوتا۔ وہ روح القدس کی زبان بولتے ہیں، ان کا لفظ لفظ ادب لطیف کے عطر میں ڈوبا ہوتا ہے، جملہ چاہے جس قدر طویل ہو، مگر فعل، متعلقات، مبتدا، خبر، سب ایک خاص معنویت کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں۔ جسے اپنی جگہ سے ہٹایا نہیں جا سکتا، کیوں کہ وہ زبان و ادب کی اس درجہ بلندی سے بولتے اور مخاطب کرتے ہیں کہ اس میں مزید ترفع کی گنجائش نہیں رہتی۔ دعا ہے کہ ربِ کریم حضور مفکرِ اسلام علامہ اعظمی کے سایۂ علم و عمل کو اہلِ سنت کے افق پر تادیر باقی رکھے۔ آمین۔

میں اخیر میں "کتاب ملتِ بیضا" کی شیرازہ بندیوں کے لیے نئے عصری تقاضوں اور وسائل سے ہم آہنگ ایک نئے متبادل طریقۂ عمل کو اپنے دعوتی اور تحریکی جد و جہد کے ذریعہ معاشرے میں عام طور پر سنی دعوتِ اسلامی کے امیر، مبلغین، معاونین اور اربابِ اہلِ سنت کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ ☆☆☆

نقد و نظر

نام کتاب: **عرفانِ حفیظ (مجموعۂ مقالات)**
ترتیب : خواجہ ساجد عالم لطیفی مصباحی
صفحات : ۲۷۲ قیمت: ۱۰۰
ناشر : حفیظِ ملت اکیڈمی، خانقاہ لطیفیہ، رحمٰن پور، تکیہ شریف شیتل پور، وایابارسوئی گھاٹ، ضلع کٹیہار، بہار 718458
مبصر : طفیل احمد مصباحی

”یہ ہماری بہت بڑی جماعتی کمزوری ہے کہ تاریخ ساز شخصیتیں اٹھ جاتی ہیں مگر ہم ان کی زندگی کے زریں کارنامے دنیا کے سامنے پیش نہیں کرپاتے۔ تعجب کا مقام ہے کہ ہمارا حریف پیتل کو سونا کہہ رہا ہے اور ہم سونے کو سونا اور ہیرے کو ہیرا نہیں کہہ پاتے۔ کاش یہ رسمِ کہن ٹوٹے اور ایسی سپیدۂ سحر نمودار ہو جس کی گود میں زندگی کا ہر زاویہ ابھر اور نکھر سکے۔ جماعت کے ہوش مند ایسی شمع جلائیں جس کا اجالا ہر اندھیرے پر چھا جائے۔“

پاسبانِ ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کے نوکِ قلم سے ادا ہونے والے یہ جملے اپنے اندر جو معنویت اور افادیت رکھتے ہیں وہ بالکل عیاں ہیں۔ احسان فراموشی کے اس دور میں ہمیں اپنے اندر اسلاف شناسی کا جذبہ پیدا کرنا بہرحال ضروری ہے۔ ہماری غفلت شعاری، کوتاہ اندیشی اور تغافل کیشی نے بے شمار اکابر و اسلاف کو گم نامی کے پردے میں چھپا دیا، یہاں تک کہ آج ان کے کام سے نئی نسل ناواقف ہے۔ سونے کو سونا کہنا اور ہیرے کو ہیرا ثابت کرنا تو دور کی بات ہے، ہم انھیں پیتل اور تانبا بھی ثابت نہیں کر سکے اور کما حقہ ان کا تعارف دنیا کے سامنے پیش نہیں کر سکے۔

قدوۃ العلما، شیخ المشائخ حضرت علامہ شاہ حفیظ الدین لطیفی قدس سرہ (متوفیٰ ۱۹۱۵ء) کا شمار صوبہ بہار کے نابغۂ روزگار علما و مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ کی ذاتِ بابرکات سے ایک جہان فیض یاب ہوا۔ بہار و بنگال اور خصوصیت کے ساتھ مشرقی بہار کی سرزمین پر آپ کا علمی و روحانی ابرِ کرم جھوم جھوم کر برسا اور پورے خطے کو لالہ زار بنا دیا۔ بقولِ مرتّب: مشرقی بہار و اطرافِ بنگال میں آپ کی بابرکت ہستی سے ایک انقلاب نے جنم لیا، جو علم و ادب، فکر و فن، تصوف و روحانیت، اخلاق و حسنِ عمل اور اخوت و ہمدردی سے عبارت رہا۔ آپ نے اس شوریدہ زمین کی کایا پلٹ دی اور اسے رشکِ جناں اور کہکشاں سے زیادہ درخشاں بنا دیا۔ حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی نے اس بنجر دھرتی پر پاکیزہ کردار و عمل اور صالح اقدار و روایات کی لہلہاتی فصلیں اگائیں، اپنی سیرت، کردار کی بلندی، ایثار و قربانی کی قوت اور عزم و حوصلہ کی توانائی سے اس دیار کو وہ عروج و ارتقا بخشا کہ جو آج ایک جہاں کو دعوتِ نظارہ دے رہا ہے۔ (عرفانِ حفیظ، ص:۱۱)

زیرِ تبصرہ کتاب ”عرفانِ حفیظ“ حضرت علامہ شاہ حفیظ الدین لطیفی علیہ الرحمہ کی حیات و خدمات پر منعقد سیمینار کا مجموعۂ مقالات ہے، جس میں حیاتِ حفیظ کے مختلف گوشوں پر متعدّد اہلِ علم و قلم نے روشنی ڈالی ہے اور آپ کی حیات و خدمات اور محاسن و کمالات کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے آپ کی تہ دار شخصیت کا بھرپور اندازہ ہوتا ہے اور اس بات پر تعجب بھی ہوتا ہے کہ اتنی عظیم شخصیت اب تک پردۂ خفا میں تھی۔ خدا بھلا کرے فاضلِ گرامی حضرت مولانا خواجہ ساجد عالم لطیفی مصباحی دام ظلہ کا کہ ان کی مخلصانہ کاوش اور پیہم جد و جہد سے یہ تاریخی اور سوانحی مرقع منظرِ عام پر آیا اور دنیا ایک باکمال شخصیت سے متعارف ہوئی۔

حمدِ باری تعالیٰ، نعتِ پاک صاحبِ لولاک ﷺ اور کلماتِ تحسین کے بعد کتاب کی ابتدا مرتب کے فکر انگیز اور بصیرت آموز مقدمہ ”نامِ نیک رفتگاں ضائع مکن“ سے ہوتی ہے۔ صوری و معنوی اعتبار سے یہ مقدمہ بڑا جان دار اور شان دار ہے، جس میں فاضلِ مرتب نے اپنے دلی جذبات اور قلبی احساسات بڑے پرشکوہ الفاظ اور دردمندانہ لب و لہجے میں سپردِ قرطاس کیے ہیں۔ ادبی جمال، فنی کمال اور ادیبانہ اسلوب مقدمہ کی سطر سطر سے نمایاں ہے۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ خواجہ ساجد عالم مصباحی کو اپنے مادرِ علمی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور سے عشق کی حد تک لگاؤ ہے۔ تقریر اور تحریر سے وہ ہمیشہ مادرِ علمی کی عظمت کا قصیدہ پڑھتے رہتے ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں بھی جامعہ اشرفیہ کو یاد رکھا ہے اور اس کی ہمہ جہت دینی، علمی اور ملی خدمات کا صدقِ دل سے اعتراف کیا ہے۔ حقیقت کے عین مطابق مرتب کا یہ پیراگراف ملاحظہ فرمائیں:

اگر زمینی حقائق کی روشنی میں انصاف و دیانت کی عینک لگا کر بات کی جائے تو واشگاف ہوگا کہ کام روپ کی گھاٹی سے لے کر راج کوٹ کی دھرتی تک اور وادیِ کشمیر سے لے کر کاویری دریا کے ساحل تک سنی مسلمانوں کی جتنی درس گاہیں، خانقاہیں، مسجدیں، تحریکی و تبلیغی ادارے یا تصنیفی و تالیفی

اور اشاعتی ونشریاتی مراکز ہیں، ان تمام میں پچاس فیصد مقامات کے اندر فرزندان اشرفیہ سرگرمِ عمل ہیں۔ یعنی ان میں مصباحی علما و فضلا، ائمہ و خطبا، واعظین و مصلحین، محققین و مصنفین اور ارباب فقہ و افتا وغیرہ کی تعداد ہے۔ اور ہاں کمال کی بات تو یہ ہے اور خاصی توجہ کا طالب بھی کہ مصباحی فرزند جہاں کہیں بھی ہیں، خواہ وہ مدرسہ ہو یا مسجد، خانقاہ ہو یا درگاہ، تصنیف و تالیف کا میدان یا تحریک و تنظیم کا پڑاؤ، صحافت و سیاست کی منجدھار ہو یا قومی و ملی قیادت و رہنمائی کی آزمائش گاہ، ہر جگہ بجاے خود آفتاب عالم تاب ہے اور ایک انقلابی و عہد آفریں حیثیت و شخصیت کا حامل ہے۔" (عرفان حفیظ، ص:۱۶)

کتاب کو تین باب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ بابِ اول حیاتِ لطیفی سے متعلق ہے اور اس میں کل ۱۲/ مضامین شامل ہیں۔ باب دوم میں ۷/ مضامین ہیں جو آپ کی خدماتِ جلیلہ سے متعلق ہیں۔ جب کہ باب سوم میں آپ کے عقائد و خیالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چند نام وراصحابِ فکر و قلم کے اسما یہ ہیں۔

(۱) خواجہ ساجد عالم لطیفی مصباحی (۲) ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی (۳) مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی (۴) سید شاہ رکن الدین اصدق مصباحی (۵) ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی (۶) مولانا عارف اللہ فیضی مصباحی (۷) مفتی منظر حسن قدیری (۸) ذوالفقار علی رشیدی مصباحی (۹) قاضی فضل احمد مصباحی (۱۰) مولانا ساجد رضا مصباحی (۱۱) مولانا شبیر احمد مصباحی وغیرہم۔

مندرجہ بالا حضرات نے اپنے موضوعات پر نہایت اہم اور گراں قدر مضامین تحریر کیے ہیں۔

"تذکرۂ قدوۃ العلما" کے نام سے پہلا سوانحی مضمون خواجہ ساجد عالم مصباحی کا ہے۔۔ سوانحی نقطۂ نظر سے یہ بڑا اچھوتا اور ذہن و فکر کو اپیل کرنے والا مضمون ہے، جس میں قدوۃ العلما حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی قدس سرہ کی حیات و خدمات اور محاسن و کمالات کے ممکنہ گوشوں کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔

"حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی رحمٰن پوری، ایک صد رنگ شخصیت" اس عنوان کے تحت جناب ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے اپنے مخصوص اور منفرد لب و لہجے میں گفتگو کی ہے اور شاہ حفیظ الدین لطیفی کی صد رنگ شخصیت کو اجاگر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

مکتوب نگاری یا خطوط نویسی بھی نثری ادب کا ایک بیش قیمت حصہ ہے۔ ہمارے علما و مشائخ نے اپنے خطوط اور مکتوبات کے ذریعہ بھی دعوت و تبلیغ اور دین و دانش کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ مکتوباتِ لطیفی سے متعلق بھی ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے اچھی گفتگو کی ہے:

محبِ گرامی حضرت مولانا مفتی محمد ساجد رضا مصباحی دیناج پوری نے "شریعت و معرفت کے حسین سنگم" کے عنوان سے شاہ حفیظ الدین لطیفی کی فکر و شخصیت کا بڑا عمدہ تعارف کرایا ہے۔

صوری و معنوی اعتبار سے یہ ایک کامیاب تذکرہ ہے اور سوانحی ادب میں ایک بیش بہا اضافہ بھی، مولانا خواجہ ساجد عالم لطیفی مصباحی دام ظلہ نے اس تذکرے کو بڑی محنت و مشقت اور کمال ہنر مندی کا ثبوت دیتے مرتب کیا ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر صوبہ اور ضلع سے اس طرح کا کام انجام پائے، تاکہ اسلاف شناسی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکے اور اسلاف شناسی کی تحریک مضبوط و مستحکم ہو سکے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ خواجہ ساجد عالم کو جزاے خیر سے نوازے اور ان کے عمر و اقبال میں برکتیں عطا فرمائے۔ آمین۔

کتاب کے آخر میں چند بڑے علما اور بلند پایہ مشائخ کے گراں قدر تاثرات بھی ہیں جو ملک کے مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے۔ ان قلم کاروں کے اسماے گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) امامِ علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمۃ (۲) صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور (۳) حضرت علامہ مفتی محمد ایوب نعیمی صدر المدرسین جامعہ نعیمیہ، مراد آباد۔ (۴) حضرت علامہ محمد عبد المبین نعمانی مصباحی مہتمم دار العلوم قادریہ چریاکوٹ۔ (۵) ڈاکٹر مختار الدین احمد علیہ الرحمۃ سابق صدر شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (۶) حضرت مولانا ملک الظفر مہتمم دار العلوم خیریہ نظامیہ سہسرام (۷) حضرت مفتی ڈاکٹر امجد رضا امجد، نائب قاضی ادارہ شرعیہ پٹنہ۔ (۸) حضرت مولانا محبوب عالم وحیدی، پرنسپل مدرسہ اسلامیہ، اعظم نگر، کٹیہار۔ (۹) حضرت مولانا محمد ابوالحسن علی رضوی قادری، مقیم حام لنگم پیٹ، نظام آباد، اے پی۔

ہم ایک بار پھر شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ خواجہ نور عالم لطیفی نعیمی ناظم اعلیٰ خانقاہ عالیہ مدرسہ لطیفیہ رحمان پور اور حضرت مولانا خواجہ ساجد عالم لطیفی مصباحی کی بارگاہوں میں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں جن کی محنتوں سے "عرفانِ حفیظ" تک بات پہنچی اور خدا کرے یہ سلسلہ اسی طرح آگے بڑھتا رہے۔ ☆☆☆☆

منظومات

خدایا ہر اک جہاں ہے تیرا

خدایا ہر اک جہاں ہے تیرا   زمیں ہے تیری زماں ہے تیرا
کرم کی حد ہے نہ رحمتوں کی   جو بحر ہے بیکراں ہے تیرا
ہے ذرے ذرے میں تیرا جلوہ   عیاں ہے کیا سب نہاں ہے تیرا
گلوں کی نکہت ہے تیری نکہت   نوائے بلبل بیاں ہے تیرا
وہ نورِ اول بنائے عالم   نبیِ آخر زماں ہے تیرا

تری ہی توفیق سے مشاہدؔ
ہمیشہ رطب اللساں ہے تیرا

مشاہد رضوی

نعتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم

نبی کے آستانے پر کسی نے گر جبیں رکھ دی
نبی نے اس جبیں میں اک نئی قسمت حسیں رکھ دی
نشانِ نقشِ پائے نورِ اقدس جس جگہ چمکا
خدا نے رفعتِ فضل و شرف کامل وہیں رکھ دی
تجلی سے گرے موسیٰ ہوا ہے طور بھی سرمہ
مگر دیدار کی خاطر نگاہِ سرمگیں رکھ دی
بلایا عاشقوں کو جب فرشتوں نے سوئے جنت
مقابل باغِ رضواں کے مدینہ کی زمیں رکھ دی
وجودِ مصطفیٰ ہی سے ظہورِ حق تعالیٰ ہے
نبی کی ذات میں قرآں نے برہانِ مبیں رکھ دی
کرم ہے مصطفیٰ کا خاص یہ ناکارہ علمیؔ پر
کہ سینے میں نبی نے دولتِ علم و یقیں رکھ دی

مصعب مبارک علمیؔ قادری، اے. ایم. یو. علی گڑھ

نعت

مال و زر اور نہ جاہ و حشم چاہیے
یا نبی! اک نگاہ کرم چاہیے
جب بھی آجائے ذکر حبیبِ خدا
لب پہ صلِ علیٰ ، آنکھ نم چاہیے
فاصلہ اپنے سر، ان کے در کا مجھے
کم سے کم،کم سے کم ، کم سے کم چاہیے
ہم کو ہر عہد میں اپنے پیشِ نظر
اسوۂ تاجدارِ حرم چاہیے
ہم کو ایمان کی منزلوں کے لیے
آپ کا صرف نقشِ قدم چاہیے
اک جھلک سبز گنبد کی آفاق کو
چاہیے بس خدا کی قسم چاہیے

نعت

ملتا ہے اک نہ اک بہانے سے
کملی والے کے آستانے سے
سارے عالم کو فیض ملتا ہے
یا نبی آپ کے گھرانے سے
آپ کے در سے جو ملا ہم کو
کیا ملے گا کسی خزانے سے
مل گئی ہم کو منزلِ مقصود
آپ کے راستہ دکھانے سے
کفر ٹوٹا ہے سنگ ریزوں کے
کلمۂ طیبہ سنانے سے
کتنے دروازے رحمتوں کے کھلے
ایک معراج کے بہانے سے
سر بلندی ہمیں ملی فاخرؔ
دامنِ مصطفیٰ کے پانے سے

فاخرؔ جلال پوری، جلال پور

سفر آخرت

منصورِ ملت علیہ الرحمہ اسلاف واکابر کی یادگار تھے

انتقالِ پر ملال کے کئی روز کے بعد بذریعہ ہفت روزہ مسلم ٹائمز، ممبئ شیر اہلِ سنت منصورِ ملت حضرت مولانا منصور علی خاں رضوی علیہ الرحمہ کے بارے میں معلوم ہوا کہ ۲۱/ ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ/۶/ اکتوبر ۲۰۱۵ء بروز سہ شنبہ اس دنیاے فانی سے کوچ کر گئے۔ ہم بھی اللہ ہی کے ہیں اور بے شک ہمیں بھی اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

مرحوم جماعت اہلِ سنت کے ایک ممتاز فرد اور قائد کی حیثیت سے مقبول تھے، ایک بہترین خطیب تھے، وقت پڑنے پر بڑے بڑے اجلاس اور کانفرنس کی نقابت بھی فرماتے، شیر بیشہ سنت، مناظر اعظم اہلِ سنت حضرت مولانا مفتی محمد حشمت علی خاں لکھنوی ثم پیلی بھیتی علیہ الرحمہ کے برادر اصغر ضیغم اہلِ سنت حضرت علامہ مفتی محمد محبوب علی خاں علیہ الرحمہ کے خلفِ اکبر وجانشین تھے، ان کے وصال کے بعد سے سنی بڑی مسجد مدن پورہ ممبئ کے امام وخطیب رہے۔ تقریباً چون سال تک اس خدمت کو بحسن وخوبی انجام دیا۔ جناب محمد عاصم اشرفی مرحوم کے انتقال کے بعد سنی جمعیۃ العلما ممبئ کے آفس کو بھی آپ ہی تنہا سنبھالتے رہے اور سالانہ شہیدِ اعظم کانفرنس کے انعقاد کا بھی اہتمام کرتے رہے۔ ماہ محرم میں خطباے اہلِ سنت کو ممبئ کے مختلف مقامات پر مقرر کرنا اور رمضان المبارک میں حفاظِ کرام کے لیے تراویح کا مساجد اہلِ سنت میں انتظام کرنا آپ کے مستقل اور اہم کارناموں میں ہے۔ احقاقِ حق و ابطالِ باطل میں شیر بیشہ سنت اور اپنے والدِ گرامی کے قدم بہ قدم تھے، اس سلسلے میں کسی سے نہ ڈرتے نہ کسی کی پروا کرتے۔ کئی ایک کتابوں کے مصنف بھی ہیں، اپنے والد گرامی کی بھی کئی کتابوں کو عمدہ انداز سے شائع کرایا۔ اس سلسلے میں رضا اکیڈمی ممبئ نے بھی ان کا تعاون کیا اور کئی کتابیں شائع کیں۔ ضرورت ہے کہ مولاناے مرحوم اور ان کے والد گرامی کی تصانیف کو از سرِ نو عمدہ انداز سے شائع کر کے بہترین ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا جائے۔

موصوف سے راقم الحروف کے تعلقات بہت قدیم تھے، میرے دورِ طالب علمی (۶۷ء تا ۶۹ء) میں ان کے برادر صغیر مولانا مقصود علی خاں مصباحی دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں زیر تعلیم تھے، اسی وقت سے عزیزی مولانا مقصود علی خاں کے ذریعہ ان سے تعلقات ہوئے جو عمر کے آخری لمحات تک قائم رہے، مرحوم جب کوئی کتاب اپنی یا اپنے والد صاحب کی شائع کراتے، میرے پاس بھیجتے اور تاثرات طلب کرتے۔ ۷۵ء یا ۷۶ء میں جب پہلی بار مولانا بدر القادری صاحب کی معیت میں ممبئ پہنچا اور وہ محرم الحرام شریف کا موقع تھا تو آپ ہی نے دیرینہ تعلقات کی بنیاد پر ہم دونوں کے لیے مجالسِ محرم کا بھی انتظام فرمایا، اس وقت میرا دس روزہ بیان مسجد نور الہدیٰ، سائنس کالا قلع (ممبئ) کے صحن میں ہوا تھا جہاں اس وقت حافظ وکیل احمد اعظمی امام تھے۔

مولانا کی خدمات کا سلسلہ نصف صدی سے زائد عرصے پر محیط ہے، ان کی تفصیلات کو قلم بند کر کے شائع کرنا ایک عہد کی تاریخ کو منصۂ شہود پر لانا ہے جسے مرحوم اپنے سینے میں لے کر چلے گئے۔ یہ کام مولانا کے قریبی حضرات بحسن وخوبی انجام دے سکتے ہیں، برادرِ اصغر مولانا مقصود علی خاں مصباحی بھی اس سلسلے میں نمایاں کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ان سے میری خصوصی گذارش بھی ہے کہ برادرِ گرامی کے احوال وآثار پر توجہ دیں، ان پر مرحوم کا حق بھی ہے کہ وہی ان کے مربی تھے والدِ گرامی کے انتقال کے بعد۔ بلکہ ضرورت اس کی بھی ہے کہ سنی جمعیۃ العلما کی پوری تاریخ ضبط تحریر میں لائی جائے اور نئی نسل کو اس سے آگاہ کیا جائے، جن سے ضمناً مولانا کی خدمات پر روشنی پڑے گی۔ الفی قرآن کے ساتھ کنز الایمان کی حالیہ اشاعت کے سلسلے میں جب میرا کئی سال تک ممبئ میں قیام تھا اور میں اس اہم کام کے لیے گوشہ نشینی کی صورت حال اختیار کیے ہوئے تھا، ان ایام میں بھی کئی بار آپ سے ملاقات اور بات کا موقع ملا۔ ملنساری اور اخلاقی بلندی میں آپ ممتاز مقام کے حامل تھے۔ جماعت اہلِ سنت میں اتحاد اور شیرازہ بندی کے لیے بھی آپ فکر مند رہا کرتے تھے اور اپنے تئیں کبھی بھی جماعت میں انتشار کو آپ نے ہوا دینے کی کوشش نہیں کی۔ علماے اہلِ سنت کی ان کے شایانِ شان قدر کرتے، سب کی خدمات کا کھلے دل سے اعتراف کرتے اور انھیں سراہتے، غیروں پر تو مثلِ برقِ تپاں تھے، مگر اپنوں میں مثل بریشم۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے آپ کو خاص تعلق تھا۔ سرکار حافظِ ملت علیہ الرحمہ کے حد درجہ عقیدت مند تھے، حافظِ ملت بھی آپ سے مشفقانہ برتاؤ فرماتے، اسی وجہ سے اپنے برادرِ اصغر مولانا مقصود علی خاں حفظہ ربہ کو دار العلوم اشرفیہ میں تعلیم اور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی خدمت میں تربیت کے لیے سپرد کیا تھا۔ بالآخر وہ وہیں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ عرصہ دراز سے جامعہ اشرفیہ کے محصل مولانا اعجاز احمد مبارک پوری (استاذ جامعہ اشرفیہ) آپ کے ہی حجرے میں ٹھہرتے اور رمضان المبارک کا چندہ کرتے۔ آپ ان کے معاون وشریک ہوتے اور اپنے مشوروں سے نوازتے۔ آپ کی یہ وہ بے لوث خدمت ہے جسے کم لوگ جانتے ہوں گے۔ آواز بلند پائی تھی، جب تقریر کرتے مجمع پر چھا جاتے، ملک کے گوشے گوشے میں ان کی خطابت کی دھوم تھی۔ مولا عزوجل انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور پس ماندگان کو صبر دے۔ مولانا مقصود علی خاں کو ان کا سچا جانشیں بنائے۔ آمین۔

از: (مولانا) محمد عبد المبین نعمانی قادری، چریاکوٹ

صدائے بازگشت

اداریہ عصری موضوعات پر دستاویزی حیثیت رکھتا ہے

حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی صاحب قبلہ

السلام علیکم امید کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوگا۔

اشرفیہ پابندی سے مل رہا ہے، صوری و معنوی دونوں اعتبار سے پرکشش ہے، مشمولات گراں قدر، معیاری اور پر از معلومات ہوتے ہیں، آپ کا اداریہ تو عصری موضوعات پر ایک دستاویزی حیثیت رکھتا ہے، اداریہ سے لے کر خیر و خبر تک کیا کہنا، موضوعات میں تنوع اشرفیہ کی خاص پہچان ہے۔

اپنی طرف سے ماہ نامہ اشرفیہ کے جملہ قلم کار و معاونین حضرات کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ والد صاحب کے درمیان آپ کا ذکر خیر ہوتا رہتا ہے۔ موصوف کا سلام قبول ہو۔ فقط والسلام

نیاز مند۔ آفاق فاخری، جلال پور امبیڈکر نگر

آؤ نفرتوں کو محبتوں سے بدل دیں

مکرمی.......................السلام علیکم

جب سے ہوش سنبھالا ہے دو لفظوں کا تکرار بہت سننے کو ملا اور دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک میں انتہا کی مٹھاس اور ایک لفظ کہ سنتے ہی کی دھڑکنیں بے ربط ہو جاتی ہیں۔ چہرے پر بل پڑ جاتے ہیں۔ ایک ہیجانی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے حالانکہ تعداد حروف کے اعتبار سے دیکھیں تو دونوں ہی لفظ چار چار حروف کا مرکب ہیں لیکن اپنی تاثیر اور وضع کے اعتبار سے جدا جدا ہیں۔ آپ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ ڈاکٹر صاحب کیا پہیلیاں پوچھ رہے ہیں۔

محترم قارئین! میری مراد لفظ ن۔ف۔ر۔ت جس کا مجموعہ نفرت اور م۔ح۔ب۔ت جس کا مجموعہ محبت ہے مراد ہیں۔ محبت و نفرت بھی انسان کی شخصیت کے اہم پہلو ہیں۔ ہم بہت سی چیزوں کو پسند یا ناپسند کرتے ہیں۔ یہی جذبے کچھ شدت اختیار کر کے محبت اور نفرت اور پھر اس سے بھی بڑھ کر عشق اور شدید نفرت کی شکل اختیار کر جاتے ہیں۔ اگر یہ جذبے اپنی فطری حدود و قیود میں رہیں پھر تو ٹھیک ہے لیکن اگر یہ ان حدود کو عبور کر جائیں تو پھر انسان کی شخصیت کو بری طرح مسخ کر دیتا ہے۔ آپ نے یقینا ایسے کئی لوگ دیکھے ہوں گے جو عشق یا نفرت کی شدت کا شکار ہو کر اپنی پوری زندگی تباہ کر بیٹھے یا پھر اس سے ہاتھ ہی دھو بیٹھے۔

انسان فطری طور پر محبت پسند ہے اور دنیا میں محبت کا پیغام پھیلانے آیا ہے لیکن اس کے باوجود دنیا کے بہت سے علاقوں میں ہر طرف نفرت کی وہ آگ بھڑک رہی ہے جس نے پوری انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ آخر کیوں؟ محبت کرنے والا انسان نفرت کا شکار کیوں؟۔

کہتے ہیں کہ انسان فطری طور پر انسان دوست، امن پسند، محبت کرنے اور محبت چاہنے والا ہے جبکہ یہی انسان جذبہ نفرت اپنے اردگرد کے ماحول سے کشید کرتا ہے۔ کسی بھی انسان کی فطرت نفرت کی طرف مائل نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ منفی رجحان یا جذبہ، جذبہ محبت کی طرح ایک فطری جذبہ ہے بلکہ یہ جذبہ یا منفی رجحان دیگر ناگوار و ناپسندیدہ رویوں کے ردعمل کے طور پر پیدا ہونے والا منفی رجحان ہے۔ کسی بھی انسان کے دل میں نفرت کا محرک بہت سی معاشرتی ناہمواریاں ہیں جو کسی نہ کسی غم و غصہ، ظلم و ناانصافی ذلت و تحقیر، غیر مساویانہ رویوں، یا پھر محرومیوں کے ردعمل کے نتیجے کے طور پر دلوں میں پنپتی ہے۔

محترم قارئین! میں نے محسوس کیا کہ اس موضوع پر لکھنا ناگزیر ہو چکا ہے جس جانب دیکھو نفرت کے لاوے پھوٹ رہے ہیں جس میں عزیز ترین رشتے جل کر راکھ ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ وائرس بہت تیزی کے ساتھ پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ جس کی وجہ سے پورا ہی معاشرہ اپاہج ہو کر رہ گیا ہے میں صرف ہندو پاک کے معاشرے کی بات نہیں کر رہا بلکہ جہاں جہاں انسان بس رہا ہے جمیع انسانوں کی بات کر رہا ہوں۔ نفرت ہے کیا؟ یہ پیدا کیوں ہوتی ہے کیا محرکات ہیں؟ آئیے اس پر ذرا غور کرتے ہیں۔

جب کوئی محبت کا متلاشی محبت سے محروم رہ جائے یا پھر دیگر معاشرتی ناانصافیوں کا شکار ہو جائے تو اس کے دل میں رفتہ رفتہ محبت کی آرزو کی جگہ نفرت جڑ پکڑنے لگتی ہے۔ جو آہستہ آہستہ نفرت و عداوت کے ایسی بھیانک آگ کی صورت اختیار کر لیتی ہے جو کہ خود نفرت کا شکار ہونے والوں کے ساتھ ساتھ اس نفرت کا باعث بننے والوں کے علاوہ بہت سی معصوم جانوں کو بھی اپنی خوفناک لپیٹ میں لے کر بھسم کر دیتی ہے۔ نفرت و عداوت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اذیت و نقصان سے ہر ذی شعور آگاہ ہی رکھتا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ انسان اس آگ سے انسانیت کو بچا نہیں پاتا بلکہ نفرت کی یہ آگ دنیا میں پھیلتی ہی چلی جا رہی ہے کیوں اس بھڑکتی دہکتی اور سلگتی آگ پر قابو نہیں پایا جا رہا، کیوں ابھی تک اس

آگ کو بجھایا نہیں جاسکا؟

آج کی اس جدید دنیا میں بھلا کیا ناممکن رہ گیا ہے کچھ بھی ناممکن نہیں اور انسان کو قدرت کی طرف سے وہ قوت عطا کی گئی ہے کہ وہ چاہے تو اس کائنات کو رضائے الٰہی سے تسخیر بھی کر سکتا ہے۔ دنیا میں کوئی مشکل ایسی نہیں جس کو آسان کرنے کی تدبیر انسان کے پاس نہ ہو، کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس کو حل کرنا انسان کے بس میں نہ ہو صرف یقین کی دولت، سچی لگن، قوت ارادی، محنت اور تدبیر سے کام لیا جائے۔ تو سب کچھ آسان ہے سب کچھ ممکن ہے۔

محترم قارئین! ہم یہی تکرار کرتے چلے جارہے ہیں نفرت عام ہوگئی ہے۔ نفرت عام ہوگئی ہے کبھی اس حوالے سے بھی غور کیا کہ جتنی طاقت ہم اس نفرت زدہ معاشرہ کی تبصروں پر صرف کی ہے اگر اس کی نصف اینرجی اس کے تدارک کے حوالے سے صرف کرتے تو کچھ نہ کچھ فرق ضرور پڑتا۔ انسان کو اپنے فطری جذبہ محبت کو جذبہ نفرت پر حاوی کرنے کے لئے اپنے اندر سے ہر قسم کے منفی رویوں کو ختم کرنا ہوگا اور مثبت رجحانات پر اپنی طبیعت کو مائل کرنا ہوگا کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنی محبت کی طاقت سے نفرت کی آگ پر غالب نہ آسکے اس آگ پر قابو نہ پا سکے۔

نفرت کی آگ پر حاوی آنے کے لیے پہلے ہر انسان کو خود اپنے ماحول سے پیدا شدہ منفی رجحانات کا خاتمہ کرنا ہوگا اور اپنی زندگیوں کو مثبت رجحانات کے تابع کرنا ہوگا، بہت سے معاملات میں اپنی نام نہاد انا کے بت کو توڑتے ہوئے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا ہوگا، درگزر کی عادت کو اپنانا ہوگا دوسروں کی دانستہ اور نادانستہ طور پر سرزد ہو جانے والی کوتاہیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے دوسروں کو معاف کر دینے کا ظرف پیدا کرنا ہوگا، اگر آپ یہ سب کر سکتے ہیں اور یقیناً کسی بھی انسان کے لئے یہ سب کر گزرنا مشکل یا ناممکن نہیں ہے اگر ہم چاہیں تو دوسروں کے ناپسندیدہ یا منفی رویوں کے ردعمل کے طور پر پیدا ہونے والے غم و غصہ کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہوئے اپنے دل کو نفرت کی آگ سے محفوظ رکھ سکتے ہیں جبکہ ہم جانتے ہیں نفرت کی یہ آگ نہ ہمیں کوئی فائدہ دے سکتی اور نہ ہی اس سے انسانیت کی خدمت اور بھلائی کا کام لیا جا سکتا ہے اپنے غصے پر قابو پانا سیکھ لیں تاکہ نفرت کی آگ کو مزید پھیلنے سے روکا جا سکے انسان کی یہ کوشش بالآخر ایک نہ ایک دن دنیا سے نفرت کی آگ کا خاتمہ کر سکتی ہے اور دنیا کو امن و محبت کا گہوارہ بنا سکتی ہے۔

ہاں یہ حقیقت ہے۔ تو پھر آج ہی سے آغاز کیجیے! کسی کی کہی ہوئی باتوں کو، کسی کے دئیے ہوئے زخموں کو، کسی کی دل شکنی کو بھول کر اس کی اچھائیوں کو یاد کرکے اس سے محبت کے رشتے کو بڑھانے کی کوشش کریں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ اس کی جانب سے زیادتیاں ہی زیادتیاں ہیں تو پھر آپ اس کے ساتھ زیادتی کا بدلہ زیادتی روا رکھ کر کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دے رہے بلکہ اس نفرت کی آگ کو ہوا دینے میں آپ بھی برابر کے شریک ہیں۔ ایک باریک سا نکتہ عرض کرتا ہوں۔ آپ کے رشتے دار آپ سے نفرت کرتیں ہیں۔؟ آپ کے دوست آپ سے نفرت کرتے ہیں؟ یا پھر اس کا عکس آپ ان سب سے نفرت کرتے ہیں۔ بصورت اول اگر وہ آپ سے نفرت کرتے ہیں تو پھر آپ ٹھنڈے دماغ کے ساتھ وسیع قلب کے ساتھ غور فرمالیں کہ وہ کونسے عوامل ہیں کہ جن کی بنا پر وہ مجھ سے نالاں ہیں ان کو حل کرنے کی کوشش کریں اور اگر معاملہ اس کے برعکس یعنی آپ ان سے نفرت کرتے ہیں تو پھر یہ سوچ لیں کہ آپ کوئی اچھا کام نہیں کر رہے کوئی بھی مہذب معاشرہ اس رویہ کی تائید نہیں کرتا۔ لہذا پہل خود کیجیے۔ آپ دیکھتے چلے جائیں گئے کہ ایک وقت ایسا ہوگا کہ لوگوں کے دلوں پر آپ کے عزت و تکریم محبت و الفت کے تمغے سجے ہوں گے۔ نفرت کی کالی بدلیاں چھٹ چکی ہوں گیں۔ آج جیسے کڑھتے رہتے ہیں یہ کڑھن ذہنی تناؤ، قلبی بے چینی سب امن و سکوں، محبت و راحت میں بدل جائیں گیں۔ بس ایک قدم آگے بڑھ کر اپنے ہاتھ سے نفرت کی آگ کو بجھانے کی کوشش کیجیے۔ ان شاء اللہ عزوجل! آپ دنیا اور آخرت میں اس کا خوب خوب ثمر پائیں گے۔ میں بھی عہد کرتا ہوں کہ میں بھی نفرت کو محبت میں بدلنے کے لیے مقدور بھر کوشش کروں گا۔

از: ڈاکٹر ظہور احمد دانش

zahoordanish98@yahoo.com

سہ ماہی حافظِ ملت (ڈربن)

مولانا فتح احمد عیش بستوی مصباحی کی زیر ادارت ڈربن (ساؤتھ افریقہ) سے شائع ہوتا ہے۔ ۴۰؍ صفحات پر مشتمل اس رسالے میں قرآن و حدیث، سیرت و سوانح، تاریخ و ادب، فکر و اصلاح، تنقید و تحقیق کے انمول خزانے پیش کیے جاتے ہیں۔ ساؤتھ افریقہ سے انگریزی زبان میں شائع ہونے والا یہ رسالہ بھرپور طریقے سے اہل سنت و جماعت کی ترجمانی کر رہا ہے۔

Hafiz-e-Milla Islamic Assembly

182 Silverglen,Chatsworth,4092,Durban, South Africa

Email_mza786@hotmail.co.za

خیر و خبر

دامودر پور، مظفر پور میں شفیع محشر کانفرنس

ہر سال کی طرح امسال بھی دار العلوم سلمانیہ ومسلم یتیم خانہ پٹھان ٹولی دامودر پور مظفر پور بہار کے زیر اہتمام یک روزہ شفیع محشر کانفرنس ۱۷ر نومبر ۲۰۱۵ / ۴ر صفر المظفر ۱۴۳۷ھ بروز منگل کو اپنی روایتی شان وشوکت کے ساتھ ادارے کے وسیع وعریض صحن میں منعقد ہوئی۔ جس میں ملک وملت کے نامور علما، صوفیا، خطبا، شعراء، ادبا، اور نقبا کا حسین قافلہ صحن جامعہ میں اترا۔

بعد نماز عشاء حافظ وقاری مولانا مہتاب عالم مصباحی نے تلاوۃ کلام اللہ سے جلسے کا آغاز کیا۔ بعدہ۔ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں شاعر اسلام توقیر اللہ آبادی، قیصر مظفر پوری، جوہر اسلام پوری، دلبر اسلمی، مشتاق نوری نے نعتیہ کلام پیش کیا۔ اور خصوصی شعرا میں شرف الحق ثانو بابو سندیلہ شریف، اکمل وکوثر مظفر پوری، دلبر شاہی کلکتہ نے بارگاہ رسالت ﷺ نے نعتیہ کلام پیش کیا۔ ابتدائی تقریر مفتی ندیم الزماں اجمل مصباحی شیوہر کی اصلاح معاشرہ پر ہوئی۔ پھر اکمل وکوثر اور شرف الحق ثانو بابو کی نعت خوانی ہوئی۔ اس کے بعد حضرت مولانا غلام رسول بلیاوی کا خطاب ہوا۔ پھر شاعر اسلام اکمل و کوثر مظفر پوری کی نعتیہ شاعری ہوئی اس کے بعد دستار بندی کا پرکیف منظر نگاہوں کے سامنے تھا۔ جس کے نظارے سے عوام اہل سنت کے دلوں میں اپنی اولاد کے تئیں مختلف قسم کے ارمان جاگ رہے تھے۔ پیر طریقت الحاج مفتی غلام حیدر قادری مصباحی نقش بندی بانی ومہتمم دار العلوم سلمانیہ ومسلم یتیم خانہ نے اسمائے فارغین کی صدا بلند کی اور انیس نونہالان اسلام کے سروں پر حضور عزیز ملت پیر طریقت الحاج عبد الحفیظ عزیزی سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور۔ مفتی شمیم القادری، صدر المدرسین مدرسہ دینیہ غوثیہ، مفتی عثمان، نیپال، اور دیگر علمائے کرام کے ہاتھوں دستار حفظ وقرأت رکھی گئی۔ بعدہ تہنیت دلبر شاہی کے حضرت مولانا سید سیف الدین اصدق نالندہ بہار کا انسان اور انسانیت کے موضوع پر بڑا ہی پرمغز اور جامع خطاب ہوا۔

جلسے کی سرپرستی عزیز ملت پیر طریقت حضرت علامہ الحاج عبد الحفیظ عزیزی سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ۔ اور مفتی شمیم القادری نے فرمائی۔ صدارت پیر طریقت حضرت مولانا الحاج مفتی غلام حیدر قادری مصباحی نقش بندی اور مفتی عثمان نے فرمائی۔ اور نظامت قاری ضیاء المصطفیٰ مدنی اور محبوب عالم گوہر اسلام پوری نے فرمائی۔ جلسے کے روح رواں حضرت مولانا جمال اشرف نقش بندی دار العلوم سلمانیہ مسلم یتیم خانہ رہے۔ اس موقع پر مفتی عبد القادر ناز قادری، حافظ قادری شاکر اشرف رضوی، حافظ و قاری معراج عالم نقش بندی، مولانا شمس نظامی، مولانا رضاء اللہ، مولانا سلیم الزماں، مولانا نعیم الدین، مولانا شفیع اڑیسہ، مولانا آل مصطفیٰ اور دیگر علما، خطبا، شعرا رونق اسٹیج رہے۔ کانفرنس میں عوام وخواص کا جم غفیر رہا۔ اخیر میں بارگاہ رسالت ﷺ میں صلاۃ وسلام کا نذرانہ پیش کیا گیا۔ اور مسلمانان عالم کے لیے فلاح وبہبود کے دعا پر جلسے کا اختتام ہوا۔

از: معراج عالم نقش بندی۔ دار العلوم سلمانیہ دامودر پور مظفر پور، بہار

مدرسہ عزیزیہ اظہار العلوم مینہ نگر کا شاندار افتتاحی اجلاس

۲۱ر اکتوبر بروز چہار شنبہ مینہ نگر اعظم گڑھ کے لیے خوشیوں کا دن تھا کہ انتہائی جد وجہد اور سالہا سال کی کوششوں کے بعد مدرسہ عزیزیہ اظہار العلوم مینہ نگر کی سات کمروں پر مشتمل عمارت جب مکمل ہوگئی تو مذکورہ تاریخ میں اس کا جلسۂ افتتاح منعقد ہوا۔ جلسہ کی صدارت حضرت مولانا سید انیس الحق چشتی مصباحی نے کی جبکہ سرپرستی حضرت علامہ عبد المبین نعمانی نے کی، خطابت کے لیے دو عظیم اساتذۂ جامعہ اشرفیہ کو زحمت دی گئی تھی حضرت مولانا شمس الہدیٰ مصباحی اور دوسرے حضرت مولانا مسعود احمد برکاتی دامت برکاتہم کو، ہر دو حضرات نے علم کی اہمیت و فضیلت اور دینی مدارس کی عصر حاضر میں ضرورت پر روشنی ڈالی اور اس قدر مدرسے کے قیام کو مستقبل کے لیے خوش آئندہ قرار دیا، اور معاونین کی حوصلہ افزائی کی۔ آخر میں حضرت علامہ نعمانی صاحب نے بھی اپنے مختصر بیان میں مدرسے کے قیام پر روشنی ڈالی اور معاونین کا شکریہ ادا کیا۔ موصوف نے فضائل اہلِ بیت بیان کرتے ہوئے معاندین صحابہ کے گم راہ عقائد ونظریے کا بھی رد کیا اور سامعین کو مسلک حق اہلِ سنت وجماعت پر سختی سے قائم رہنے کی تلقین کی۔

جناب ڈاکٹر (حکیم) محمد علی قاضی بانی ادارہ نے مدرسے کی روداد مختصراً بیان کی اور اس ادارے کے قیام کو شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند اور حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ بانی الجامعۃ الاشرفیہ کی روحانی کرامت قرار دیا، واضح رہے کہ مدرسہ مذکورہ نام اظہار العلوم، فاضل گرامی حضرت علامہ اظہار احمد اعظمی مینہ نگری علیہ الرحمۃ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، جن کے دم قدم سے آج بھی مینہ نگر اور قرب وجوار میں

سنیت کی رمق باقی ہے۔ جن کے فرزند گرامی مولانا ارشد خان مصباحی آج ان کی جانشینی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آخر میں سفر اعظمی سابق نگراں تعمیرات جامعہ اشرفیہ نے ڈاکٹر محمد علی بانی جامعہ عزیزیہ اظہار العلوم مینہ نگر کو ان کی گراں قدر خدمات پر سپاس نامہ پیش کیا۔ قاری غیاث الدین مبارک پوری اور محمد ناظم مبارک پوری نے بارگاہِ رسالت میں خراجِ عقیدت پیش کیا، اختتام سید انیس الحق مصباحی کی دعا اور صلاۃ وسلام پر ہوا۔

از: سفر احمد اعظمی، سابق نگراں تعمیرات جامعہ اشرفیہ

پیلی بھیت میں آل انڈیا مفتی اعظم ہند کانفرنس

۲۷ / ۲۸/ اکتوبر ۲۰۱۵ء بروز منگل، بدھ کو سرچشمۂ ہدایت الجامعۃ الرضویہ مدینۃ الاسلام ہدایت نگر پیلی بھیت شریف یوپی میں سالانہ آل انڈیا مفتی اعظم ہند کانفرنس وعرس اعلیٰ حضرت وعرس شمس الفیوض حضرت الحاج محمد ہدایت رسول وعرس فاضل مصر مفتی کرامت رسول نوری میاں ازہری وجشن دستار بندی بڑے ہی تزک و احتشام کے ساتھ منایا گیا۔ ۲۷/ اکتوبر کو ہندوستان کے کثیر شعرا نے شرکت فرمائی، اور مصرع طرح پر طبع آزمائی فرمائی۔ مصرع تھا، "سراپا ہیں کرامت ہی کرامت مفتی اعظم"

۲۸/ اکتوبر کو بعد نماز عشاء آل انڈیا مفتی اعظم ہند کانفرنس واعراس و جشن کا پروگرام منعقد ہوا۔ کانفرنس کا آغاز قاری محمد رجب علی بہرائچی خطیب وامام مسجد ہدایت رسول مدینۃ الاسلام نے تلاوت کلام ربانی سے کیا۔ حاجی حافظ محمد رضائے رسول شامول امانتی پیلی بھیتی، قاری شان رضا امانتی بریلوی، مظہر الٰہ آبادی، محمد سعید اختر جوکھن پوری، محمد عامر ظفر، شکیل صابری سنبھلی، عابد رضا رامپوری، مولانا اکرم رضا بریلوی، مولوی زین العابدین بہرائچی، صوفی فتح محمد ممبئی، صوفی دولت رسول خاں امانتی، حافظ محمد حامد رضا امانتی، حافظ محمد اعظم امانتی ردرپور، وغیرہ نے اپنے نرالے انداز میں نعت ومناقب پیش فرمائے۔ نبیرۂ شیر بیشۂ اہل سنت سید بلاغت رسول ممبئی ، مولانا محبوب علی تلسی پوری، شہزادۂ صدر الشریعہ مفتی بہاء المصطفیٰ پرنسپل جامعۃ الرضا بریلی شریف، مفتی انور علی استاذ منظر اسلام و مفتی محمد عاقل رضوی شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی شریف، ومفتی افروز عالم استاذ منظر اسلام، ومولانا اختر رضا استاذ منظر اسلام، مفتی طیب استاذ منظر اسلام، ومفتی رضوان استاذ منظر اسلام وقاری رضوان استاذ منظر اسلام وامام رضا مسجد بریلی شریف، مفتی شکیل استاذ جامعۃ الرضا بریلی شریف، قاری شریف استاذ جامعۃ الرضا، قاری فیض النبی استاذ جامعۃ الرضا، مولانا قاسم مصباحی برکھن، مولانا کبیر احمد ردرپور، مولانا اسلام الدین مصباحی شاہجہانپور ، مولانا محمد انیس خطیب میلانی لکھیم پور، مولانا ابرار اتراکھنڈ، مولانا رئیس احمد نیوریا، مولانا شعبان نیوریا، مولانا شمس الحسن نیوریا، مفتی اشتیاق القادری جوکھن پوری، مولانا قاری غلام نبی رامپور ، مولانا ناظر رضا بہیڑی، مولانا غلام غوث فرید پور، مولانا نسیم مصباحی بہیڑی، مفتی فرقان رضا مظہر اسلام بریلی مفتی عاشق علی، مولانا ولی محمد رام پور، مولانا شہاب الدین رضوی بریلی ، الحاج سعید نوری بانی رضا اکیڈمی ممبئی، مولانا محمد عارف مصباحی غازی آباد ، ومولانا حنیف تلسی پوری، وغیرہ نے اپنے اپنے بیان سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔

مولانا محمد احمد رضا منظری چھتیس گڑھ ومفتی محمد سلیم نوری ایڈیٹر ماہنامہ اعلیٰ حضرت واستاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی نے محدث پیلی بھیت مفتی کرامت رسول ازہری علیہ الرحمۃ کی سیرت بیان کرتے ہوئے ان کی مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمات پر روشنی ڈالی، اور سرکار اعلیٰ حضرت مجدد اعظم امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات وخدمات سے قوم کو روشناس کرایا، اور تاجدار اہل سنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت علامہ شیخ مصطفی رضا خاں فقیہ بریلوی کی بلند پایہ شخصیت پر روشنی ڈالی۔ شہزادۂ ریحان ملت سرتاج اہل سنت حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد سبحان رضا خان سبحانی میاں سجادہ نشین خانقاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف نے کانفرنس کی سرپرستی فرمائی، اور صدارت بانی و سربراہ اعلیٰ مدینۃ الاسلام فخر القرا خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند مولانا قاری محمد امانت رسول نے فرمائی۔ اور قیادت حضرت الحاج قاری محمد عنایت رسول نے فرمائی۔ نائب سجادہ نشین آستانۂ شیریہ حضرت حافظ وقاری حفیظ میاں شیری، سید شاہ قمر الحسن واسطی بلگرام شریف، شہزادۂ قطب بلگرام سید راشد میاں بلگرام شریف، حضرت سید اسلم میاں بلگرام شریف، حضرت سید حسین میاں سجادہ نشین خانقاہ واحدیہ بلگرام شریف ، سید شہزاد علی ممبئی کی زیارت سے سامعین مستفیض ہوتے رہے۔ مدینۃ الاسلام سے فارغ ہونے والے طلبہ کی دستار بندی حضرت علامہ سبحان رضا خاں سبحانی میاں نے فرمائی، اور حضور صاحب سجادۂ رضویہ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے فارغ ہونے والے طلبہ کو مدینۃ الاسلام کی سندیں عنایت فرمائیں۔ بانیِ کانفرنس استاذ القرا مولانا شاہ قاری محمد امانت رسول کی تین تصنیفات (۱) سوانح منور علی شاہ الٰہ آباد (۲) علما ومشائخ کی نظر میں پندرہوں صدی کا مجدد (۳) بانوے حدیثوں کا لاثانی مجموعہ، کا اجرا نبیرۂ اعلیٰ حضرت حضور سبحانی میاں کے مبارک ہاتھوں سے ہوا۔ اخیر میں بانیِ کانفرنس حسان الہند فخر القرا قاری محمد امانت رسول سربراہ اعلیٰ مدینۃ الاسلام نے بتایا کہ ۲۸/ اکتوبر کی یہ وہ مبارک تاریخ ہے جس میں شمسی حساب سے اعلیٰ حضرت نے وصال فرمایا۔ اور زائرین وحاضرین کو دعاؤں سے نوازا۔ صلوٰۃ و سلام اور قل شریف وشجرۂ قادریہ برکاتیہ رضویہ پڑھ کر ایصال ثواب

کیا۔اور ملک و ملت کے لیے دعا فرمائی۔ ہزاروں کے مجمع کو شہنشاہ مدینہ ﷺ اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موئے مبارک اور دیگر تبرکات کی زیارت کرائی گئی۔

ایکسل کمپیوٹر ٹریننگ سینٹر کا افتتاح

مورخہ ۲۰/نومبر ۲۰۱۵ء ۱۰ بجے عثمانیہ فاؤنڈیشن کے شاخ ایکسل کمپیوٹر ٹریننگ انسٹیٹیوٹ کا آغاز جناب مفتی ابوالعرفان میاں فرنگی محلی قاضی شہر لکھنؤ کے مبارک ہاتھوں سے ہوا۔ افتتاح کے بعد مفتی صاحب نے فاؤنڈیشن کی کامیابی کے لیے دعا کی۔ افتتاح کے بعد عثمانیہ فاؤنڈیشن کے صدر محمد غفران نے ایک پریس نوٹ جاری کرتے ہوئے کہا کہ یہ فاؤنڈیشن غریب مظلوموں کی مدد اور تعلیم کے میدان میں کام کرتا ہے۔ اس کے زیر اہتمام کھلنے والے کمپیوٹر سینٹر سے غریب بچوں کو تعلیم دی جائے گی۔ انہوں نے بتایا اس فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام ایک صحت یابی کیمپ عثمانیہ فاؤنڈیشن کے آفس نائک یوسف اپارٹمنٹ چوک لگایا گیا جس میں غریب و مساکین لوگوں کی صحت کا چیک اپ ہوا اور دوائیں تقسیم کی گئیں۔ آخر میں محمد تبریز نے آئے ہوئے سبھی لوگوں کا شکریہ ادا کیا۔ از: محمد تبریز، میڈیا انچارج

ہردی مظفر پور میں پیغامِ کربلا کانفرنس

۵/نومبر ۲۰۱۵ء کو بعد نمازِ عشا بمقام ہردی مظفر پور (بہار) اراکین تیغیہ کمیٹی کی جانب سے بڑے اہتمام کے ساتھ ایک جلسہ بنام "پیغامِ کربلا کانفرنس" کا انعقاد کیا گیا، جس کا باضابطہ آغاز راقم الحروف کی تلاوت سے ہوا۔ جلسے کی نظامت مولانا پھول محمد نعمت رضوی نے کی، سرپرستی مفتی حامد القادری (سجادہ نشیں خانقاہ نمازیہ تھتیاں شریف، مظفر پور) نے فرمائی، جب کہ منصبِ صدارت پر مولانا مشتاق احمد برہانی مصباحی پرنسپل دار العلوم رضویہ، چکیا، مشرقی چمپارن فائز تھے۔

حضرت مفتی احمد القادری نے "اصلاح معاشرہ کے موضوع پر سب سے پہلے تقریر کی اور سامعین کو حرام کاموں سے بچنے اور حلال کاموں کو اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔ نیز فرمایا کہ آپ لوگوں نے کانفرنس کا نام "پیغامِ کربلا" رکھا ہے، تو پیغامِ کربلا پر پابندی کے ساتھ عمل بھی کیجیے۔

آپ کی تقریر کے بعد نسیم مظفر پوری، افضل مظفر پوری اور اکرم نورانی متعلّم جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے نعت و منقبت کے نذرانے پیش کیے۔ اس کے بعد مولانا ثناء اللہ اطہر مصباحی نے "مسلمانوں کے اقتصادی حالات اور ان کا تدارک" کے موضوع پر تقریباً ایک گھنٹے تک جامع خطاب فرمایا۔ مولانا نے سب سے پہلے ہندوستان کی آبیاری میں علمائے اسلام کی قربانیوں کا ذکر کیا، پھر مسلمانوں کی معاشی پس ماندگی کی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ آج ہندوستان کا مسلمان اپنے ملک کو خونِ جگر سے سینچنے کے بعد بھی معاشی اعتبار سے اتنا کمزور اس لیے ہے کہ وہ تعلیم، سیاست اور تجارت میں غیروں کے مقابلے میں بہت پیچھے ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اپنے معاشی عروج وارتقا اور اسلام کی تبلیغ کے لیے للّٰہیت کے ساتھ ان تینوں میدانوں میں سبقت کرنا ہوگا۔ مزید بتایا کہ اگر اخلاص کا دامن ہاتھ میں ہو تو اسکول کھولنا، میڈیکل اور انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرنا، میدانِ سیاست میں طبع آزمائی کرنا یہ سب کارِ ثواب ہے۔

اخیر میں مقرر خصوصی کی حیثیت سے الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے تشریف لائے مفکرِ اسلام حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی نے کربلا کے موضوع پر ایک ولولہ انگیز اور معلوماتی خطاب فرمایا۔ علامہ موصوف نے پہلے اجمالاً خلفاے راشدین کا ذکر فرمایا، پھر اہلِ بیتِ مصطفیٰ بالخصوص امام عالی مقام کے فضائل و مناقب احادیث کی روشنی میں بیان کیے۔ اس کے بعد حضرت نے بڑے درد بھرے لہجے میں شہداے کربلا کا خونی منظر پیش کر کے کئی آنکھوں کو نم کر دیا۔ کربلا کے حوالے سے حضرت کا آخری پیغام یہ تھا کہ حق کو حق مانا جائے اور باطل کو باطل۔۔ اسلام کے لیے سخت مصائب و آلام میں بھی صبر کا دامن نہ چھوڑا جائے اور جہاد کے شرائط پائے جانے پر اسلام و سنت کی آبیاری کے لیے جان کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی گریز نہ کیا جائے۔ اسلام دشمن طاقت کے خلاف ہر دم سینہ سپر رہا جائے، چہروں پر سنت کو سجایا جائے، کسی فاسق و فاجر کو اپنا مذہبی پیشوا اور قائد تسلیم نہ کیا جائے۔ حرام سے گریز کیا جائے اور حلال کو اپنایا جائے، صلاۃ و سلام کے بعد حضرت کی دعا پر مجلس کا اختتام ہوا۔ از: ابوہریرہ، مظفر پور

ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں

بلرام پور میں

مولانا محمد حارث مصباحی صاحب

مدرسہ عربیہ فیض العلوم، پپرا بنگڑھ، پوسٹ امواباس

وایا جاروا، ضلع بلرام پور (یوپی)

9919309724, 9198476391

(سیتامڑھی، بہار میں)

رضا بک ڈپو

مقام و پوسٹ پریہار، سیتامڑھی (بہار)